

# شمس الاسلام

ماہنامہ

## مجلس مرکزیہ

حزب الانصار کی اٹھائیسویں عظیم الشان سالانہ تبلیغی

### \* کانفرنس \*

قارئین شمس الاسلام کو اس مژدہ جانقذا سے خورسند کیا جاتا ہے کہ حزب الانصار کی اٹھائیسویں سالانہ تبلیغی کانفرنس بتاریخ ۱۴-۱۵-۱۶ مارچ ۵۸ مطابق ۲۲-۲۳-۲۴ شعبان ۱۳۷۷ بموافق ۱-۲-۳ چیت سمت ۲۰۱۳ بروز جمعہ ہفتہ - اتوار کو انشاء اللہ لعزیز جامع مسجد بھیرہ میں منعقد ہوگی جس میں مشائخ عظام کے علاوہ پاکستان کے بہترین خطیب و مقررین تشریف لائیں گے مندرجہ بالا تاریخوں کو نوٹ فرمالیں - خود بھی شامل ہوں اور اپنے دوستوں کو جلسہ کی تاریخوں سے آگاہ کریں -

غلام حسین ناظم مجلس استقبالیہ حزب الانصار بھیرہ (پاکستان)

## تحت ادارہ

غلام حسین } امیر حزب الانصار بھیرہ  
مدیر مسؤول } مولانا الحاج افتخار احمد اکروی } سالانہ چاند  
(پاکستان)



# بیادگارِ بحیم ملت حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بگوی نور اللہ مرقدہ

زیرِ ہدایت: مولانا افتخار احمد صاحب بگوی میر حزب الانصار بھیرہ (پنجاب)

سالانہ چندہ

عوام سے

۳/- روپے

طلبا سے ۲/۸ " "

مبجانب

سالانہ چندہ

معاذین سے

۵/- روپے

غیر مالک سے ۴/۸ " "

## حزب الانصار بھیرہ

اللہ کے دین کے مددگاروں کا گروہ

انحراض مقاصد: ۱) اندرونِ دینی حلقوں سے اسلام کا تحفظ و اشاعت اسلام ۲) اصلاح رسوم و اتباع شریعت اسلامیہ اسیاد و اشاعت علوم دینیہ طریق کار: ۱) جمیعہ شمس الاسلام کا اجراء ۲) دارالعلوم عزیزہ جامع مسجد بھیرہ جو اپنے مختلف شعبوں کے ذریعہ اسلام کی بہترین خدمت سر انجام دے رہا ہے۔ ۳) مبلغین کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں اسلامی زندگی پیدا کی جا رہی ہے۔ ۴) عظیم شان سالانہ کانفرنس ۵) امیر حزب الانصار کا مبلغین کے ہمراہ سالانہ تبلیغی دورہ ۶) کتب خانہ ۷) جامع مسجد بھیرہ کی مرمت۔

جریدہ کے قواعد و ضوابط: ۱) جریدہ ہر ماہ انگریزی کی ۵ تاریخ کو پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ مضامین ہر ماہ کی دس تاریخ تک وصول ہو جانے چاہئیں۔ مدیر کا مضمون نگار کی رائے سے تصفیق ہونا ضروری نہیں۔ ۲) ارکان حزب الانصار کے نام جریدہ مفت بھیجا جاتا ہے چندہ رکنیت کم از کم چار آنے ماہوار یا تین روپیہ سالانہ ہے۔ ۳) عام سالانہ چندہ ۳/- معاذین سے ۵/- اور طلباء سے ۲/- روپیہ مقرر ہے۔ نمونہ کا پرچہ ہر آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر بھیجا جاتا ہے۔ ۴) رسالہ باقاعدہ چنانچہ پڑتال کے بعد حوالہ ڈاک کیا جاتا ہے۔ بعض رسائل راستہ میں تلف ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں خریداری کی طرف سے ماہ کی ۲۵ تاریخ تک اطلاع وصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیجا جاتا ہے۔ اطلاع نہ ملنے کی صورت میں دفتر ذمہ دار نہ ہوگا۔ ۵) جواب کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہئیں۔ ۶) ہندوستان والے چندہ حاجی عبد المجید صاحبان کیشن ایجنٹس ۷) نواب محمد سٹریٹ بمبئی (ہندوستان) کنڈرلیہ می آرڈر لکھ کر بھیجیں۔

جملہ خط و کتابت و ترسیل در بنام غلام حسین بدیر میجر شمس الاسلام بھیرہ (پنجاب) ہونی چاہئے

○ سرخ نشان: دائرہ میں سرخ نشان سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کا رسالہ بذریعہ دی پی آر سال ہوگا۔ جس کے ذمہ اخراجات سے بچنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ دی پی آر بھیجیں۔ خریداری منظور نہ ہو تو اطلاع دیں۔ خدا راوی پی دیس کر کے ایک اسلامی ادارہ کو نقصان نہ پہنچائیں۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ غلام حسین میجر رسالہ

# ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ

حرکتہما: سید سیاح الدین کا کاخیل

جلد ۲۹ || شعبان المعظم ۱۳۷۷ھ مطابق مارچ ۱۹۵۸ء || نمبر ۳

## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	شذرات آہ! سردار عبدالرب نشر طرز تعلیم و تدریس میں تبدیلی کی ضرورت حقیقی فلاح و ترقی کا مفہوم اور اس کا حصول معاشری ناہمواری اور اس کا حل پاکستانیوں کے لئے ایک اقدہ عبرت	ادارہ " " " " "	۵ " " " " "
۲	حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کا سانحہ ارتحال	"	۱۰
۳	اسلامی حکومت میں ملازموں کے حقوق و فرائض	پروفیسر لبیب السید مصری	۱۱
۴	پاکستان میں اسلامی قانون کی تدوین	مولانا امین احسن اصلاحی	۲۰
۵	علم حدیث	مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی	۲۵
۶	بیابہ مجلس اقبال	س	۳۹

بانتہام غلام حسین ایڈیٹر ریڈیو پبلشر شنائی برقی پریس سرگودھا میں چھپ کر دفتر تجدید شمس الاسلام جامع مسجد بھیرہ سے شائع ہوا

# سالانہ تبلیغی کانفرنس

حزب الانصار کی ستائیس شاندار تبلیغی کانفرنس ہو چکی ہیں جن حضرات کو حاضری کا موقع ملا ہے ان سے پوشیدہ نہیں کہ شمالی پنجاب میں یہ کانفرنس اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اس موقع پر پاکستان کے بزرگ ترین شائع اور چیدہ چیدہ علمائے کرام تشریف فرما ہو کر اپنے خیالات عالیہ سے مستفین فرماتے ہیں۔ مزید برآں جلسہ پر باہر سے تشریف لانے والے سامعین کے کھانے کا انتظام بھی مجلس مرکزی حزب الانصار کی طرف سے بلا معاوضہ ہوتا ہے۔

اب اٹھائیسویں سالانہ تبلیغی کانفرنس مورکلا علی الشد تایخ ۱۴-۱۵-۱۶ مارچ ۱۹۵۸ء بمطابق ۱-۲-۳ رحیت سمت بموافق ۲۲-۲۳-۲۴ شہبان المعظم ۱۳۷۷ ہجری جمیعہ، ہفتہ، اتوار، منقذ کی جا رہی ہے جس میں مندرجہ ذیل حضرات کو شرکت جلد کی درخواست

کی گئی ہے امید ہے کہ اکثر حضرات تشریف لا کر ممنون فرمائیں گے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ صاحبزادہ محمد عمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف  
حضرت مولانا سید صاحبزادہ حفیظ الحسن صاحب سجادہ نشین لاہور  
محبوب ملت حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول صاحب لہی

حضرت صاحبزادہ احمد سید صاحب سجادہ نشین ترمذی شریف  
حضرت مولانا محمد حنیف صاحب سجادہ نشین کوٹ مومن  
صنیع اسلام مجاہد ملت مولانا عبدالستار صاحب نیازی ایم اے

سابق ایم۔ ایل۔ اے

حضرت علامہ خالد محمود صاحب ایم اے سیالکوٹ

حضرت صاحبزادہ سید افتخار حسین صاحب لائل پور

حضرت مولانا تید عبدالرحمن شاہ صاحب

حضرت مولانا تید عبدالرحمن شاہ صاحب ملتان

مولانا فضل محمد صاحب تلہ گنگی

مولانا غلام جیلانی صاحب

مولانا نور محمد صاحب ایمن آبادی

حضرت مولانا محمد سلیم صاحب شہنزی لائل پور

مولانا محمد امیر الدین صاحب جلال آبادی

مولانا محمد رفیق صاحب گکھڑ، فاضل جامعہ عزیزیتہ بھیرہ

مولانا عزیز الرحمن صاحب ہزاروی

مولانا نور محمد صاحب لاہور فاضل جامعہ عزیزیتہ بھیرہ

مولانا محمد شجاع الدین صاحب

مولانا محمد عظیم صاحب

مولانا حسن المرتضیٰ صاحب خاوری

مولانا محمد امین صاحب جھنگوی

حضرت مولانا پیر قطبی شاہ صاحب ملتان

حضرت مولانا محمد شمیم صاحب لاہور

صوفی محمد بخش صاحب پتی نعت خواں

صوفی الدین نعت خواں بھیرہ

دیگر وغیرہ

# شذرات

(اخراج)

آہ! سردار عبدالرشید شتر

اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ  
۱۴ فروری ۱۹۵۸ء

طرز تعلیم و تدریس میں تبدیلی کی ضرورت!

ہمارے مدارس عربیہ میں نصابی کتابوں کی تدریس و تعلیم کا جو طریقہ عام طور سے جاری ہے اس کے بارے میں مدت سے یہ خیال دل میں پیدا ہوا ہے کہ اس طرز تعلیم میں قدرے تبدیلی کی ضرورت ہے۔ چاہے، چاہے کہ جو کچھ میں سمجھا ہوں یا سمجھانا چاہتا ہوں اس کو کسی مناسب انداز تبصر کے ساتھ دوسروں تک پہنچاؤں اور بہت ممکن ہے کہ اس ملک میں میرے ہم خیال دہم صغیر اور بھی بہت سے موجود ہوں گے مگر اظہار و بیان کی ابتداء کسی نے نہ کی ہو۔ مزدوم و محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے اپنے ایک مقالہ کے ایک حصہ میں ٹھیک ٹھیک میرے خیالات و احساسات کی ترجمانی کی ہے آج ہی وہ عبارت نظر سے گزری ہے جس میں میرے دل کی کہی گئی ہے۔ اس لئے میں یہی بہتر

سمجھتا ہوں کہ اپنے الفاظ و عبارات کی بجائے اسی عبارت کو اپنے خیال کے اظہار کا ذریعہ بناؤں۔

” ایک عرصے سے ہماری دینی درس گاہیں بھی روح سے خالی ہوتی جا رہی ہیں۔ علم کا مقصد اور مقام اور اس کے دینی فضائل مدرسہ کے تعلیمی ماحول میں بہت غیر اہم بن گئے ہیں۔ اور فضائل علم کا یہ حصہ جس میں سینکڑوں بچوں کی طاقت اور سیرت سازی اور دولہ انگیزی کی بہترین قوت ودیعت ہے۔ ہمارے مدارس کے نصاب نظام تعلیم عملاً خارج ہے جس مرحلے پر یہ چیزیں طلبہ کے سامنے آتی ہیں۔ وہ بہت بعد کا مرحلہ ہے۔ اور وہ بھی نہایت تیز رفتاری، روادری اور بے توجہی سے گزر جاتا ہے۔ تعلیم کے آخری یا درمیانی مرحلے پر حدیث کی کتابوں میں یہ فضائل آتے ہیں۔ لیکن حدیث کی تعلیم اور اسباق

جمہت المبارک کی صبح کو ساڑھے سات بجے کراچی میں سردار عبدالرشید شتر نے طویل بیماری کے بعد اس عالم فانی سے اُس دار باقی کی طرف رحلت فرمائی اور لاکھوں مسلمانوں کو بخیرہ و اشکبار کر دیا۔ اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ ما اس حادثہ غم داندوہ سے ہمارے دل کو بھی شدید صدمہ لاحق ہوا۔ اور ہم نے بھی اس سانحہ ارتحال کی وجہ سے اپنے اندر ایک بے چینی محسوس کی۔ اس وجہ سے نہیں کہ شتر مرحوم مسلم لیگ کے صدر تھے یا سابق گورنر یا سابق وزیر تھے بلکہ اس لئے کہ انہوں نے پاکستان کے لئے مخلصانہ جدوجہد کی تھی اور قائد اعظم مرحوم کا دست راست بن کر ہر محاذ پر مخالف قوتوں سے لڑتے رہے۔ وہ خلافت کی تحریک کے دور سے لے کر اب تک قومی تحریکوں میں ایک

ایک مخلص کارکن کی حیثیت سے شرکت کرتے رہے۔ اسلام پسند، بااصول اور اچھے کردار اور شریفانہ اخلاق والے قومی لیڈر تھے۔ اور ہمارے ملک کے موجودہ سیاسی لیڈروں کے طبقہ میں ان کو ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ یہ مرحوم کی عیش بخشی اور خاتمہ بالخیر کی دلیل ہے کہ فجر کی نماز پڑھ کر اپنے رب کی یاد میں مصروف تھے کہ پیغام اہل آسمانیا اور اسی حالت میں جان جاں آفرین کے سپرد کی۔ ایسے حالات میں جبکہ پاکستان میں طریق انتخاب اور وحدت کے اہم مسائل درپیش ہیں اور مسلم لیگ کو ایسے ہی مخلص، دیانتدار بااصول اور اسلام پسند محبوب ملک و ملت قیادت کی ضرورت تھی شتر مرحوم کی جدائی بہت بڑا قومی حادثہ ہے۔ درگاہ رب العزت میں ہماری دعا ہے کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب ہو اور اس کے اعزہ و احباب اور اولاد و اقارب اور دوسرے متعلقین کو اجر جزیل عطا ہو۔ آمین



**حقیقی فلاح و ترقی کا مفہوم** | پاکستان دن بدن ترقی کر رہا ہے، بڑے بڑے کارخانے اور اس کا طریق حصول! قائم ہو رہے ہیں۔ بڑے بڑے

بند تعمیر ہو رہے ہیں، لاکھوں ایکڑ زمین کی سیرابی کا انتظام ہو رہا ہے ضرورت کی بہت سی چیزیں ملک کے اندر بن رہی ہیں۔ نئے نئے سکول اور کالج کھولے جا رہے ہیں اور پڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ معیار زندگی بلند کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ . . . .

یہ الفاظ ہمارے وزیروں اور لیڈروں کی تقریروں میں، اور اخباری بیانات میں بار بار سننے اور پڑھنے میں آتے ہیں۔ ممکن ہے ان الفاظ میں کچھ مبالغہ ہو۔ لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ الفاظ بالکل خالی الفاظ بھی نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے اندر حقیقت بھی کچھ نہ کچھ ہے۔ ہم اپنے ذہیروں کے ان ارشادات کو تسلیم کر کے عرض کرتے ہیں کہ ذرا یہ بھی تو بتا دیا جائے کہ پاکستان کے باشندوں کی اخلاقی حالت کیسے؟ ان کا کردار کتنی ترقی کر رہا ہے۔ ان کی انفرادی اور اجتماعی سیرت میں کتنی دیانت داری پائی جاتی ہے۔ ان کی زندگی میں مفاد پرستی اور خود غرضی کس رفتار سے

گھٹ رہی ہے۔ اور اصول پسندی کس رفتار سے بڑھ رہی ہے تعلیم گاہوں میں شاہین بچوں کو کیا تعلیم دی جاتی ہے۔ اور تربیت گاہوں میں ان کی تربیت کس پہنچ پر ہو رہی ہے؟ ان سوالات پر بھی کوئی غور کرتا ہے۔ اور ان سوالات کا کوئی مناسب جواب بھی مل سکتا ہے؟

یوں تو غلامی نے پورے شترکہ ہندوستان کو . . . حیثیت، اور اخلاقی حیثیت سے پیچھے کر دیا تھا۔ لیکن ملک کا جتنا حصہ پاکستان کے نام سے جدا ہو کر آزاد ہوا ہے اس کو انگریزی اقتدار نے خاص طور سے حسنی ترقیوں اور نئے ددر کے ایجادات سے محروم رکھا تھا۔ انگریز اپنی مخصوص مصلحتوں کی بناء پر دنیا بھر میں اپنی شہنشاہیت کا سکہ بٹھانے کے لئے ”شتمین زن بازو“ یہاں سے ہٹا کرتا۔ لیکن شتمین زنی تو دودھ کی چیز ہے۔ اُس نے سوئی بنانے کا کارخانہ بھی یہاں قائم نہیں کیا۔ اور

کاسک کم اہم اور ناقابل توجہ حصہ یہی ہے جس کی طرف نہ تو مسلم کی توجہ ہوتی ہے۔ نہ طالب علم کی مسلم اپنی ساری ذہانت اور متمم اپنی پوری محنت اختلافی مسائل اور علمی مباحث میں صرف کر دیتا ہے اور فضائل و ترغیبات (یا اور اخلاقی احادیث) کی طرف توجہ ایک واعظانہ اور عامیانہ کام سمجھا جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر مینی مدرسہ کے تعلیمی سال کے آغاز میں اور ہر جماعت میں ان فضائل کا بار بار تذکرہ ہو۔ اور اخلاص اور تصحیح نیت پر زور دیا جائے۔ اور طالب علم کو اپنے مقصد کے معین کرنے اور ایمان و احتساب (خدا کے دعوں پر یقین اور اُن دعوں کو پیش نظر رکھ کر کام کرنے) کی تاکید کی جائے اس سے طلبہ میں علم و دین کی وہ کیفیات و جذبات پیدا ہوں گے جن سے ہماری مذہبی درسگاہوں کی فضا اور ہماری مذہبی زندگی روت و بروز خالی ہوتی جا رہی ہے۔ اور اسی کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ ہمارے دینی علوم بھی اسی طرح روحانیت سے خالی اور ہمارے دینی فضلاء بھی جذبہ سے عاری ہو جائیں گے جس طرح غیر دینی علوم اور غیر دینی درسگاہوں کے فاضل نظر آتے ہیں۔

اس کے لئے اہل مدارس کو وہ تمام وسائل اختیار کرنے چاہئیں جو مفید و مؤثر ثابت ہوں۔ سال کے شروع میں اس موضوع پر تقریروں کا انتظام، متعلمین کے اسباق میں اس کا خصوصی اہتمام، چھوٹے چھوٹے مؤثر رسالوں کی اشاعت، اور لفظ تعلیم کے ابتدائی مرحلہ میں ایسی کتابوں کی شمولیت جن میں خاص طور پر اس کی طرف توجہ کی گئی ہو

کیا پاکستان کے عربی مدارس کے متعلمین و متعلمین مندرجہ بالا گزارشات کی طرف کچھ توجہ فرمائیں گے؟ اور اس اہم ضرورت کا صحیح احساس کر کے کچھ عملی اقدام کریں گے؟

تعبیر نہیں ہونے دیتا۔ وہ بہت دنوں تک اپنی اس یک طرفہ ترقی سے مبہوت رہے اور سمجھتے رہے کہ ہم نے فلاح و بہبود کی منزل پائی۔ مگر آخر کار انہیں سوچنا پڑا کہ یہ کیسی فلاح و بہبود ہے جس میں سوسائٹی حقیقی سہرت سے محروم ہے۔ صنعتی انارکی روز افزوں ہے۔ ازدواجی زندگی میں بے لطفی عام ہے۔ معاشرہ کے افراد میں انتشار اور باہمی اعتماد مفقود ہے، ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ کوئی رعایت کرنے کو تیار نہیں۔ مرگت اور قربت کے تقاضے بے معنی ہیں۔ دیو سپیکر مشینوں نے احساسِ مرگت کو کچل کر کے رکھ دیا ہے۔۔۔ مگر اب ان کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں۔۔۔ ان کا یہ احساس جب ہے جب کہ ان کی سوسائٹی کے افراد دیانت، فرض شناسی اور اصول پسندی میں بہر حال ایک کیرکٹر رکھتے ہیں۔ اور ان میں ایک اجتماعی شعور ہے تو ہم اس ترقی سے کس فلاح و بہبود کی توقع رکھ سکتے ہیں۔ جب کہ ہمارا معاشرہ ان امور میں بھی بہت تشویش ناک حد تک دیوالیہ ہے پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ اب امریکن تہذیب کی وہ عینیت بھی درآمد کی جا رہی ہیں جن کے نتائج سے وہاں کے اصحاب فکر عاجز اور بیزار ہوتے جا رہے ہیں۔ تب بتلائیے یہ مادی ترقی ہمارا اور ہمارے معاشرے کا کیا بھلا کرے گی اور کن منوں میں ہم کو فلاح و بہبود سے بھٹا کر رکھے گی

”جمہوریہ اسلامیہ پاکستان“ دستور کی رُو سے ایک اسلامی مملکت ہے۔ دستور کی رُو سے یہاں کے تمام کارکنانِ حکومت اور اربابِ اقتدار نے حلف اٹھا کر یہ ذمہ داری لی ہے کہ وہ یہاں اسلامی اقدار اور اسلامی روایات کو زندہ کریں گے۔ اور یہاں کتابِ سنت کے مطابق ”معدن“ کوراج اور منکر کو ختم کریں گے اس ملک میں کرڈول کی تعداد میں مسلمان بڑھتے ہیں اور ملک کا ہر ہر گوشہ ان کا ممکن ہے۔ ان حالات میں پاکستان کے اندر اخلاقی گراؤ کا اس نمایاں طور پر پایا جانا ایک افسوسناک واقعہ ہے

پھر انگریزوں نے ہم کو جتنا اس حیثیت سے پیچھے رکھا تھا اتنا ہی وہ ہم کو مختلف ذریعوں سے اخلاقی حیثیت سے بھی دیوالیہ کر گئے تھے۔ اب آزاد ہوجانے اور برطانیہ کی آہنی گرفت اٹھ جانے کے بعد یہ کسی طور سے بھی قرینِ دانش نہیں ہے کہ توانائی کے ان دوبازوؤں میں سے ایک کو تو قابلِ پرواز بنانے کی دن رات جدوجہد کی جائے اور دوسرے کو یونہی معطل رہنے دیا جائے۔ ہمارے اربابِ اقتدار اگرچہ آپس کی کشمکش اور سیاسی جوڑے توڑے بہت کم فرصت پاتے ہیں۔ اور علاوہ سائنسی ترقی کے میدان میں بھی بہت سست رفتار سے کام کر رہے ہیں۔ لیکن بہر حال یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ ذہناً تو صنعتی ترقی کو ضروری سمجھتے ہیں اور جن چان سے بھی ہر وہ اسع راستہ پر چلنا چاہتے ہیں اور چل بھی رہے ہیں مگر ان کو ایک بنیادی بات سمجھانے کی ضرورت ہے۔ جس کی طرف ان کی توجہ بالکل نہیں۔ کہ تنہا سائنسی ترقی سے یہاں کے باشندے حقیقی فلاح و بہبود سے ہمکنار نہیں ہو سکتے یہاں معاشرہ کے جسم میں ایسے خطرناک نائٹرو ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کتنے ہی کارخانوں کا قیام، بندوں کی تعمیر اور ضروریاتِ زندگی کی فراوانی اس معاشرہ کو سچا سکون و آرام نہیں بخش سکتی۔ اور اگر کوئی اس کی امید کرتا ہے تو اس کا تصور فلاح و بہبود ناقص ہے۔ اور وہ ترقی کے مفہوم کے بائیں میں کوتاہ نظر ہے۔ مغربی دنیا کا حال ہمارے سامنے ہے وہ اس نقطہ نظر سے ترقی کے سب سے اونچے زینے پر پہنچ چکی ہے مگر سوسائٹی کی فلاح و بہبود جس چیز کا نام ہے اس سے وہاں کی سوسائٹی قطعاً محروم ہے۔ اور اب اس کا احساسِ تشنگی اس درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ اب اسے چھپانے کی قدرت نہیں رہی۔ آپ آئے دن اخبارات و رسائل میں یورپ و امریکہ کے ڈاکٹر و ادیب و مفکرین کے بیانات اور اعترافات دیکھتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ انتہائی ترقیوں کے باوجود، زرعی اور صنعتی مسائل کو حل کر لینے کے باوجود، اور تعلیمی معاشرتی معیار بلند سے بلند تر ہوجانے کے باوجود سوسائٹی کی زندگی میں ایک خلا ہے۔ اور ایسا خلا ہے جو فلاح و بہبود کے خوابوں کو شرمندہ

روح کے سنوارنے، نگہانے اور اخلاق درست کرنے کا کام ہو رہا ہو۔ اس موقع پر وزارت تعلیم کا نام پیش نہ کیجئے۔ اب تک اس وزارت کا کام تو صرف اس نظام تعلیم کو بچلے بڑے طریقے سے چلانا ہے جو انگریزوں نے میرات میں ہمیں دیا ہے۔ اور جس کا مقصد اعمال و اخلاق کی اصلاح اور روحانی تزکیہ و تربیت نہیں بلکہ محض سستے کلرک "تیار کر دینا اور بقول علامہ اقبال مرحوم "علم میثی" سکھانا اور "جان کو تن سے نکال دینا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ اخلاقی بگاڑ کو دور کرنے کے لئے ہمارا موجودہ نظام تعلیم جو یونیورسٹیوں، کالجوں اور سکولوں میں جاری ہے ذرہ برابر فائدہ نہیں دے سکتا۔ جو تعلیم اور جو تربیت انسان کو انسان بنانے والی ہے اور جس سے روح کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ اور جس سے فرد میں اور معاشرہ میں اعلیٰ اخلاق پیدا ہو سکتے ہیں وہ صرف اللہ کے بھیجے ہوئے ہادیوں اور پیغمبروں والی وہ تعلیم و تربیت ہے جو بندوں کا خدا سے زندہ تعلق قائم کرتی ہے۔ اور جو مرنے کے بعد کی جزا و سزا کا یقین دلوں میں پیدا کرتی ہے۔

اس لئے ہم نہایت دردمندی کے ساتھ ارباب حکومت سے بھی یہ عرض کرتے ہیں کہ وہ خدا را ملک سے اخلاقی بگاڑ اور اس عظیم فساد کو دور کرنے کے لئے ایسے ہی نظام تعلیم و تربیت کا کوئی معقول اور مخلصانہ انتظام کر دیتی۔ اور دینی انجمنوں، مذہبی اور سیاسی جماعتوں اور تعلیمی اداروں کی خدمت میں بھی یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ بھی مل کر باہمی تعاون و توفیق سے ایسے طریقے سوچیں اور عمل لائیں کہ تعلیم و تربیت اور اصلاح اخلاق و اعمال کا وہ نظام جاری کر دیا جائے جس میں سراسر برکات ہیں اور جس کے نتیجے میں عرب کی گری ہوئی قوم دنیا بھر میں سب سے بلند و برتر مقام تک پہنچ گئی تھی اور جس کی تاثیر اب اس دور میں بھی یقیناً وہی ہے یہ بالکل حقیقت ہے کہ نہ بصلح آخر ہذا الامۃ الاصلاح اٹھا جس چیز نے پہلے اصلاح کی وہ اب بھی اصلاح کر سکتی،

اور یہ ایک ایسا جوہم ہے جس کے لئے ہم اللہ کے سامنے کوئی عذر پیش نہیں کر سکتے۔ ہم سب کا مشترکہ فریضہ ہے کہ یا ہم مل کر پوری سعی و کوشش کے ساتھ ملک اور باشندگان ملک کی یہ خدمت اپنے ہاتھ میں لیں اور جس فلاح و بہبود کا ملک کا ہر باشندہ آرزو مند ہے اس کے حصول کی ایک اہم شرط کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھائیں۔ اس وقت اصلاح معاشرہ کی بہت بڑی سخت ضرورت ہے۔

اور پھر جب سائے ملک میں فضا اس قسم کی ہو جائے تو صنعتی کارخانوں، اور میرابی زمین کے لئے بڑے بڑے بندوں اور سکولوں کالجوں کے باوجود پاکستان اور پاکستانی قوم فلاح و بہبود اور حقیقی ترقی سے محروم ہوگی۔

ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے مادی ترقی کے اسباب و وسائل ضرور حاصل کئے جائیں ہم مخالفت نہیں کرتے لیکن زندگی خوشگوار تب ہوگی جبکہ روحانی اور اخلاقی ترقی کے لئے بھی کچھ کیا جائے۔ آج ملک میں جسم کی صحت و تندرستی، جسم کی غذا و خوراک کے لئے جسم کو آرام پہنچانے کے لئے مرکز میں اور صوبوں میں وزارت صحت بھی ہے اور وزارت زراعت و خوراک بھی، وزارت تجارت و صنعت بھی ہے اور وزارت مواصلات بھی، اور ہم مانتے ہیں کہ ان سب کی ضرورت ہے۔۔۔ لیکن کوئی ایسی وزارت نہیں جو روح کی صحت و روح کے تزکیہ و تخلیہ، روح کی غذا و خوراک، اور روح کی تربیت و تسکین کا اہم ترین کام سرانجام دے۔ اور جس کی نگرانی میں



## معاشرتی ناہمواری اور اس کا حل

بعض فی الرزق کے ارشاد خداوندی کی بنا پر اصولاً اس بات کے قائل ہیں کہ انسانوں کے درمیان رزق اور وسائل رزق کے اعتبار سے فرق واقع ہو سکتا ہے۔ اور ہر لحاظ سے مساوات اور برابری ایک غیر فطری امر ہے۔ فی الحال ہم اس بحث میں بھی نہیں پڑتے کہ رزق میں بعض کی بعض پر فضیلت کیوں رکھی گئی ہے۔ اور اس میں کیا کیا حکمتیں ہیں۔ فطری تفاضل کو درست مانتے ہوئے ہم یہ ضرور کہنا چاہتے ہیں کہ آج کل پاکستان میں جو معاشرتی ناہمواری اور اُدبِ نیچ ہے یہ بالکل غیر فطری ہے۔ اور اسلام کے معاشرتی قوانین کو توڑ کر اور حدود اللہ سے بغاوت کر کے ایک ایسی اقتصادی حالت

پیدا کر دی گئی ہے کہ دن بدن غریب غریب تر، اور امیر امیر تر بنتا جا رہا ہے۔ سخت گرمی سردی میں متواتر آٹھ آٹھ دس دس گھنٹے

کام کرنے والے مزدور اور اُس کے چند بچوں کو تو پیٹ بھر کر گندم کی صرف سوکھی روٹی اور تن ڈھلپنے کے لئے کپڑا، اور بیماری کے لئے دوا نہیں ملتی۔ اور رہنے کے لئے گھاس پھوس کی جھونپڑی بھی

میشر نہیں۔ اور پاکستان ہی میں بنے ہوئے کارخانہ داروں کی عیش و عشرت اور فضول خرچی کی یہ کیفیت ہے کہ وہ خود جو کچھ کھاتے ہیں وہ تو کھاتے ہیں اُن کے شکاری کُتوں کو بھی کھانے کو مکھن اور اڈھنے کو مٹلی لباس ملتا ہے وہ عالی شان کوھیوں میں رہتے موٹروں میں دوڑتے اور ہوائی جہازوں میں اڑتے ہیں

اور سہ خواجہ از خون رگ مزدور سدا لعل ناب

کے مطابق مزدوروں کے خون سے تیار کیا ہوا لعل ناب بھی ان کے جہروں کی سسختی کو بڑھاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ صورت حال نہایت تشریف ناک ہے۔ کسی ملک میں معاشرتی اعتبار سے یہ غیر طبعی

ناہمواری اور کسی معاشرہ میں وسائل زندگی سے انتفاع و تمتع کے اعتبار سے یہ عظیم تغاوت ایک ایسی غلاظت اور زندگی ہے جس میں کمزور کمزور کے مہلک جراثیم کی پودشس ہوتی اور زہریلے پھر پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس قسم کے حالات اشتراکیت کے لئے فضا کو سازگار بناتے ہیں۔ جارے ملک میں ایک طرف تو بدن بدن مذہبی اثرات کم کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور اُن روحانی اقتدار کو پامال کیا جا رہا ہے جو کمزور کمزور کے پھیلنے کے لئے ایک شدید رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ اور دوسری طرف اقتصادی لحاظ سے نظام سرمایہ داری، سرمایہ داری اور ناجائز استحصال کی سرپرستی ہو رہی ہے جس کے نتیجے میں عام باشندگان ملک نہایت بُری طرح پے جا رہے ہیں۔ اور اُن کے لئے رُوح و بدن کا رشتہ قائم رکھنا بھی مشکل ہو رہا ہے اور فضا کچھ ایسی سموم ہوتی جا رہی ہے جس کے نتیجے میں ہمیشہ الحاد و دہریت کو فروغ حاصل ہونے کا موقع مل جاتا ہے۔

ضروری ہے کہ ہم اسے اس پاکیزہ ملک کو اشتراکیت کی گندگی سے پچانے کے لئے امریکی اداؤں کے سہاروں کی بجائے یہ بنیادی کام شروع کیا جائے کہ ایک طرف تو مذہب، مذہبی اثرات اور اسلامی روایات کو مستحکم اور مؤثر طریقوں سے لوگوں کے قلوب میں راسخ کر دیا جائے۔ اور دینی تعلیم و تربیت کا معقول اور مناسب انتظام کر دیا جائے۔ اور دوسری طرف ملک کا معاشرتی نظام خالص اسلامی اصولوں کے مطابق جلد از جلد استوار کر دیا جائے تاکہ یہ غیر طبعی ناہمواری اور امیر و غریب کا عظیم تغاوت آج طریقہ سے دُور ہو جائے۔ اور اس ملک میں سرمایہ رکھنے والے نہ تو غریبوں کا خون چوس چوس کر موٹے ہوتے ہوں اور نہ وہ عیش و عشرت کرنے والے ہوں اور نہ مزدور و کسان ٹھیکے نگے اور محتاج ہوں بلکہ پورے توازن و اعتدال کے ساتھ سب کے سب زندگی گزارتے ہوں۔ اشتراکیت کے فتنے سے بچنے کا صرف ایک ہی علاج ہے

# حضرت لانا ابوالکلام آزاد کا سانحہ ارتحال

كُلُّ مَنْ عَلَيْهِمْ فَاِنْ وَيَقِي وَجْهًا رَيْكَ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْلَامِ

مصیبت لاکھ ہوں پر دل کا جانا عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے

اخبارات کے ذریعہ سے یہ خبر ۲۰ فروردی کو آئی تھی کہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد پر فاج کا شہید ہوئے اور مولانا کی حالت نازک ہے۔ اس خبر کے سننے ہی پر دل پہ بجلی گری تھی اور اندیشہ لاحق ہوا تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی امیدوں کا یہ سہارا بھی ٹوٹنے والا ہے، اور ظلمت کدہ ہند میں یہ روشنی دینے والا چراغ بھی موت کی تیز و تند آمدنی سے عنقریب بجھنے والا ہے۔ بعد کی خبروں سے تو امیدیں اور بھی منقطع ہوتی گئیں۔ کل ۲۰ فروردی ۱۳۵۷ء کو میں لاہور سے ۵۰ میل دور ایک مدرسہ ربانیہ کے سالانہ جلسہ میں شریک جلسہ تھا کہ قریباً اسی بجے کسی نے آکر ریڈیو کی یہ اطلاع پہنچادی کہ حضرت امام ہند مولانا آزاد کا انتقال ہو گیا اور اسے کہ موت کی تمیز غموں نے وہ آخری شمع بھی بجھا دی

اِنَّ لِلّٰهِ دَانَ اَمِيْرٍ رَاجِحُوْنَ مولانا مرحوم کے بارے میں نہایت کچھ کہا جاسکتا اور لکھا جاسکتا ہے اور شاید کہ پھر بھی کہنے اور لکھنے کا حق ادا نہ ہو۔ ایسے اعظم رجال کی زندگی کے مختلف پہلو ہوتے ہیں اور ہر پہلو کی دست آئی ہوتی ہے کہ ہر زبان اور ہر قسم اس کے احاطہ پر قدرت نہیں پاتا۔ رسالہ کی کتابت مکمل ہو چکی ہے اس ضروری خبر اور چند تعزیتی اور دعائیہ کلمات کے لئے کچھ مضمون کاٹ کر مختصری جگہ کی گنجائش نکالی گئی ہے۔ اس لئے اس وقت صرف ایک بات لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آج ریڈ کلف کی کچی ہوئی لکیر سے اس طرف رہنے والے آسودہ محل پاکستانیوں کو تو ان طوفانوں، گردابوں اور ہنگاموں کا اندازہ نہیں ہو سکتا جن میں ہندوستان کے چار کروڑ مسلمانوں کی کشتی حیات پھنی ہوئی اور گھری ہوئی ہے۔ ”بحر ہند“ کے ان بلاغیر طوفانوں اور خون آشام ہنگاموں کے حلقوں میں ہندی مسلمانوں کی کشتی کو چلانے والے ابوالکلام تھے۔ اور آج اس ناخدا کے اٹھ جانے کے بعد ان کشتی والوں کا ظاہری سہارا ختم ہوا۔ اور یہ محض استعارہ اور ادبیت کا مظاہرہ نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ آج وہ یتیم ہو گئے، ہم ظلم و جہول بندے اپنے مولائی حکمتوں کو کچھ نہیں جانتے لیکن ظاہری حالات کے اعتبار سے دو دعائیہ جہینے کے اندر حضرت مدنی رحمہ اللہ تھے اور پھر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ تعالیٰ کی جدائی ادیبہ دائمی مفارقت ہندوستانی مسلمانوں کے لئے خاص طور سے ایک قیامت صغریٰ اور حادثہ کبریٰ ہے۔ وقعت الواقعہ بیس وقعتہا کا ذہب، مثیت ایزی کا فیصلہ بہر حال نافذ ہونا تھا اور ہو چکا تھا ”ما اخذ دلہ ما اعطی و کل شئی عندہ بمقدار“ درویش کا اظہار شکوہ و شکایت نہیں کہ

شرح حال خود نمودن شکوہ تقدیر نیست

نالہ بر سنت نمودن فوہ و فریاد نیست

(باقی صفحہ پر)

دوسری طرف ہم اسلامی حکومت کے ملازموں کے اندر بھی اہلیت اور اخلاص و خدا ترسی کے پاکیزہ جذبات موجزن دیکھتے ہیں۔ کہ انہوں نے ریاست کی خدمت کو زینتِ دنیا اور عیش و تنعم کی خاطر کندھوں پر نہیں اٹھایا۔ بلکہ اسے عین عبادت سمجھا اور پوری بے لوثی اور شانِ استغناء کے ساتھ اس سے عہدہ برآ ہوئے۔ اور جس پاکدامنی کے ساتھ وہ اس نازک مقام میں داخل ہوئے تھے اُسی پاکدامنی کے ساتھ اس سے نکلے۔ اور اللہ کی رضامندی اور رحمت ان کے مثالِ حال تھی۔

سیوطیؒ نے "حسن الحاضرہ فی اخبار مصر القاہرہ" میں حضرت معاویہؓ کے مشہور سپہ سالار جنگ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے ارمینیا کے ایک شہر پر چڑھائی کی۔ اسلامی فوجیں ابھی راہ میں تھیں کہ اس شہر کے سرکردہ لوگ اور وہاں کے پوپ کا نمایندہ حبیب بن مسلمہ کے پاس آئے اور ہدایا و تحائف پیش کر کے صلح کی درخواست کی۔ حبیب بن مسلمہ نے صلح کی درخواست منظور کر لی اور ساتھ ایک خطِ اہل شہر کے نام لکھ دیا کہ "میں نے تمہارے تحائف قبول کر لیے ہیں۔ اور انہیں تمہارے جزیہ میں شمار کر لیا ہے۔"

سے ہدیہ داخل ہوا اور ادھر کھڑکی سے امانت رخصت ہو گئی۔" صحاح کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالمختبہ نامی ایک شخص کو قبیلہ اندر پر محصل مقرر کیا۔ جب وہ صاحبِ فایز ہو کر واپس آئے۔ اور حساب دینے لگے۔ تو کہا یہ بیت المال کا حصہ اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غصہ کے علامات طاری ہو گئے۔ اور آپ نے ایک خطبہ دیا۔ جس میں اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جو انتظام میرے سپرد فرمایا ہے اس میں تم میں سے بعض لوگوں کو میں جب کسی خدمت پر مقرر کرتا ہوں اور وہ اس سے فایز ہو کر واپس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تمہارا (بیت المال) حصہ ہے۔ اور یہ مجھے بطور ہدیہ ملا ہے۔ اگر ایسی ہی بات سے تو وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھے رہے کہ وہیں بیٹھے بیٹھے ان کے پاس ہدیے آجاتے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تاریخِ ابی مشاویں سے بھری پڑی ہے کہ آپ ایسے کارکنوں پر سخت گرفت کرتے رہے جو دورانِ خدمتِ خوشحال ہو جاتے تھے۔ آپ کی گرفت سے حضرت ابوہریرہؓ عمرو بن العاصؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی نہیں بچ سکے۔

## بقیہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

غمِ داندہ سے جہاں ہوا دل بے اختیار مجبور کرتا ہے اور زبانِ قلم سے شرحِ حالِ دل کرنا ہی پڑتا ہے۔ مولانا مرحوم نے پندرہ سولہ برس کی عمر سے لے کر ۶۹ برس کی عمر تک سیاسی اور ملکی بل کی خدمات اور مجاہدانہ کارناموں کے علاوہ علم و ادب کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ اہللال و البلاغ کے مقالات، ترجمان القرآن اور دوسرے خطبات و مضامین کے ذریعہ قرآن و حدیث اور علومِ شریعہ کی بھی بہت خدمت سرانجام دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ان تمام اعمالِ صالحہ کو قبول فرمائے اور ان کی بشری لغزشوں اور انسانی کمزوریوں کو جس سے کوئی غیر نبی معصوم نہیں اپنی رحمت و مغفرت سے معاف فرمائے۔ ان کی قبر مبارک کو انوارِ رحمت سے منور فرمائے اور ان کی روح مقدس کو اعلیٰ علیین میں اعلیٰ اور برتر مقام نصیب فرمائے

آمین!



(۲)

اپنے دینی سرمایے کو کھونے کے بعد پایا کیا؟ پایا یہ کہ تعزیرات کے ضابطے اعلیٰ سے لئے۔ تجارت کے اصول جرمنی سے سیکھے۔ سماجی اور معاشرتی بہبود کے منصوبوں میں سوئٹزرلینڈ کی نقالی کی۔ اور اس طرح بھان متی کا ایک کتبہ جوڑ کر جملہ احکام ادبیہ کو نظر انداز کر دیا۔ اس کے لئے دیں یہ وی جاتی رہی کہ وطن پرستی کی بنیاد پر ہمارا قانون بھی عوام کی خواہشات (GENERAL WIL) کا منظر ہونا چاہئے۔ مصطفیٰ کمال کو لادینی کے نعرے میں جو انہماک رہا ہے وہ آپ حضرات جانتے ہی ہیں۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دوسرے ممالک میں تو پھر بھی اسلامی قانون کے آثار کسی نہ کسی شکل میں ملتے ہیں۔ لیکن ترکوں کے ذہن سے اسے کھرچ کھرچ کر نکال دیا گیا ہے۔ خیر تو یہ تحریک تمام مسلمان ممالک میں چلی۔ حتیٰ کہ خود آپ کا ملک بھی اس سے متاثر ہوا۔ اور آپ اس قسم کی بویاں یہاں بھی اُسے دن سُنتے رہتے ہیں کہ الگ الگ قومیت رکھنے والوں کے لئے الگ الگ قانون کیوں ہو۔ پوری قوم کے لئے ایک ہی قانون ہونا چاہئے۔ اور پھر یہ کہ مذہب کا اجتماعی زندگی سے کیا تعلق ہے۔ ان ملکوں کا تو یہ حال ہو گیا کہ وہاں مصر، مصریوں کے لئے اور ترک، ترکوں کے لئے کافرو زبان زدِ عام ہو گیا۔ وطنی قومیت کا تعصب آہستہ آہستہ اتنا تشدد اختیار کر گیا اور قوم پرستی کی یہ آگ اتنی بھڑکی۔ کہ اس قوم نے فرعون کو تو اپنا لیڈر بخوشی تسلیم کیا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو محض اس بنا پر لیڈر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یہاں بھی وہی وطنیت اور قومیت کا مسئلہ دبیش تھا۔ پھر آپ دیکھئے کہ ترکوں کی شکست کے

**فقہی تشدد** پہلی بات جو اس ضمن میں پیش نظر رہنی چاہئے وہ میرے نزدیک یہ ہے کہ اہل سنت کے تمام فقہی اسکولوں میں روادارانہ سپرٹ پیدا کی جائے۔ اور فقہی تشدد کا رویہ یکسر ختم کر دیا جائے۔ یعنی یہ نہ ہو کہ ہر فقہ کے پیروکار اسی فقہ کو صحیح اور درست قرار دیں۔ اور دوسری فقہ کے ناقص ہونے کا دعویٰ کریں۔ اس تشدد اور تعصب کا ذہنوں سے نکلنا بہت ضروری ہے۔ اور تدوین کا فرض انجام دینے کے لئے یہ ایک اولین ضرورت ہے۔ اگر روادارانہ جذبات کا مظاہرہ نہ کیا گیا۔ تو اس کام میں سخت مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ اگرچہ رول آف فقہ کو مشترکہ سرمایہ نہ سمجھا گیا۔ اور پوری اسلامی فقہ کو اپنی دولت نہ قرار دیا گیا تو اس جدوجہد میں کامیابی بڑی مشکل ہوگی۔ مالکی اور حنبلی فقہ کے پیروکاروں کی تعداد تو یوں بھی اس ملک میں بہت ہی محدود ہے۔ اور زیادہ تر لوگ فقہ حنفی اور فقہ اہلحدیث ہی کے پیروکار ہیں۔ ان میں بھی اکثریت فقہ حنفی کے ماننے والوں کی ہے۔ لیکن اگر فقہ حنفی کے پیروکار تشدد پر اتر آئیں تو اس سے بڑا نقصان ہوگا۔ اہل سنت کے ان دو بڑے سکولوں۔ فقہ حنفی اور فقہ اہلحدیث میں رواداری اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ہی اصولی طے پر انہیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبلؒ نے اس میدان میں جو کوششیں کی ہیں وہ بھی ہمارا مشترکہ سرمایہ ہیں۔ یہ آئمہ ہمارے ماضی کے روشن ستارے ہیں۔ دین کی خدمت میں ان بزرگوں کی مساعی کو بڑا دخل ہے اور ان کے اجتہاد و فن کا سرمایہ ہم سب کی مشترکہ دولت ہے۔ کسی کے ذہن میں یہ نہ تو آسکتا ہے کہ تمیز صحیح ایک ہی فقہ کو دی جائے لیکن مزدوری نہیں کہ دوسری فقہ کے ناقص ہونے کی شکایت بھی ضرور کی جائے۔ آپ ایک کے مقابلہ دوسری فقہ کو ترجیح تو دیں اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں لیکن میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ فقہی تعصب اور تشدد سے ضرور احتراز کیجئے۔ ان آئمہ ہدیٰ کے اخلاص اور ان کے عظیم کارناموں کا اعتراف ضرور کیجئے۔ کارناموں

اس طرح پیچیدگیاں اور مشکلات پیدا ہوں گی۔ انسانی قانون کا معاملہ دوسرا ہے اسے تو مباشرت سے کچے پیچھے پیچھا جانا ہے۔ لیکن اگر اسلامی قانون بھی اُسے دن تبدیل ہوتا رہے تو اس پر وہ اعتماد قائم نہیں رہ سکتا جو اس کو اتنا ہی حیثیت دلاتا ہے۔ چنانچہ یہ احساس ۱۹۱۵-۱۶ء میں بھی ہوا اور پرسنل لاء کا جو حصہ ضمیمہ کی شکل میں شامل کیا گیا ہے اس میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اس کی بنیاد فقہ حنفی کے بجائے پوری اسلامی فقہ ہوگی۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس کی جڑیں چونکہ مضبوط نہ تھیں اس لئے نیش غلام اور سیکولرزم کے ایک ہی ریلے نے اس کی جڑیں اکھاڑ دیں۔ انسانی قانون کی طرح اسلامی قانون میں بھی گویا یہ حامی محسوس کی گئی اور اس کی ابتدا فقہ حنفی سے کی گئی لیکن بعد میں یہ احساس ہوا کہ ایک ہی امام کی فقہ کی بجائے اسلامی قانون کی بنیاد پوری اسلامی فقہ کو قرار دیا جائے۔ اگر شروع ہی سے پوری اسلامی فقہ کو بنیاد قرار دیا جاتا۔ تو یہ احساس اور یہ مشکل پیدا ہی نہ ہوتی۔ یہ ہے اجمالی طور پر اس کی ناکامی کا پس منظر!

## پاکستان میں اسلامی قانون کی تدوین

اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ پاکستان میں اسلامی قانون کی تدوین کے لئے ہمیں کیا کچھ کرنا چاہئے۔ یہ باتیں میں لاء کمیشن کے رکن کی حیثیت سے نہیں کر رہا بلکہ ایک عام خادم دین کی حیثیت سے کر رہا ہوں۔ میں آپ کے سامنے اپنی رائے صرف اس نقطہ نظر سے پیش کر رہا ہوں تاکہ اس موضوع پر ذہنی راہ نمائی دے سکوں کہ یہاں اسلامی قانون کی تدوین کے سلسلہ میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ جن کو اختیار کرنے کے بعد تدوین قانون اور اس کے نفاذ میں آسانی پیدا کی جاسکے۔ ان گزارشات کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ حضرات بھی ان پر غور کریں۔ اور یہ معلوم کریں کہ اس کام کو آسان بنانے کے لئے آپ حضرات کیا کیا رول ادا کر سکتے ہیں۔

وہ حربہ بالکل کند ہو کر رہ جائے گا جو اسلامی قانون کے دشمن اسلام کے خلاف آج تک استعمال کرتے آئے ہیں۔ آپ حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ چوتھی صدی کے اہل تک ان سنتوں کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا کہ ہم حنفی ہیں، مالکی ہیں، اور اس وقت تک کسی قسم کے تشدد کو بھی درکنے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم اس وقت تک کتاب سنت کے قریب تر تھے۔ آج بھی اگر وہی صورت پیدا ہو جائے ہم اپنی نسبت کسی ایک فقہ کے بجائے براہ راست کتاب سنت سے کریں تو صلاحت کی کار پر بھی اچھا اثر پڑے گا اور اسلام کے مخالفین کا وہ ہتھیار بھی کند ہو کر رہ جائے گا۔ جو ہم نے خود ہی ان کے ہاتھ میں دیا ہے۔ اگر یہ ہتھیار ان کو ہم خود نہ پکڑائیں تو ان کے لئے ہمارے اُدپر حملہ کرنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔

تدوین قانون کے ضمن میں دوسری

## دوسری اہم ضرورت

اس انداز سے انجام دیا جائے کہ اکثریت کے ساتھ تہ تعلیت کا بھی اس پر اعتماد ہو۔ آپ حضرات جانتے ہی کہ یہاں اکثریت حنفی مسلک رکھنے والوں کی ہے اور اس کے بعد اہل حدیث مسلک رکھنے والے بڑی اکثریت میں یہاں موجود ہیں۔ میرا اشارہ اپنی دہریے مسالک کی طرف ہے۔ اسلامی قانون کی اساس آپ فقہ حنفی کو قرار نہ دیں تو ایک بڑا حصہ غیر مطمئن رہے گا اور اپنے دلوں میں خلش محسوس کریگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان میں نافذ ہونے والے قانون کا بڑا ماخذ فقہ حنفی کو تسلیم کیا جائے لیکن اس کے ساتھ ہی اگر تعلیت کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا تو یہ بھی بہت بڑا حادثہ ہوگا۔ باہمی اعتماد پیدا کرنے کے لئے یہ انتہائی ضروری ہے۔ کہ مسلک اہل حدیث کو بھی تدوین قانون کے کام میں پیش نظر رکھا جائے اگر اس طرح دوسرے ائمہ کی فقہ میں سے بھی بعض قوانین لے لئے جائیں اور یہ کہہ کر کہ ہمیں اسلام مطلوب ہے نہ فقہ۔ اگر (MERITS) کی بنا پر تمام مسائل کو دیکھا پرکھا جائے تو اس طرح ایک ایسا قانون مرتب

کے اعتبار سے یہ سب ایک ایک سے بڑھ کر ہیں ہر ایک اپنا نمایاں مقام رکھتا ہے کسی کے لئے زیب نہیں دیتا کہ وہ ان میں سے کسی ایک کی یا ان کے کارہائے نمایاں کی تحقیر کرے۔ آپ اختلاف رائے کا اظہار کر سکتے ہیں خصوصیات کی بنا پر، (MERITS) کی بنا پر آپ ہر مسئلہ پر اظہار رائے کر سکتے ہیں آپ اپنے دلائل کی روشنی میں جو موقف چاہیں قائم کریں اور جس کو چاہیں ترجیح دیں لیکن کسی ایک کو غلط اور اس کے مقابلہ میں دوسرے کو صحیح کہنا درست نہیں ہے۔ اگر اس قسم کی صداور بے جا تعصب کام لیا گیا تو یقین ملے کہ اسلامی قانون کی تدوین کے کام میں سخت رکاوٹیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

## سیاسی پہلو

سیاسی پہلو سے بھی غور کیا جائے تو اس روادارانہ سپرٹ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر فقہی تشدد کا مظاہرہ کیا گیا تو اس سے ان لوگوں کی خواہش پوری ہوگی جو آج تک یہ حربہ اسلامی قانون کے خلاف استعمال کرتے آئے ہیں کہ اسلامی قانون نافذ کرنے میں مذہبی گروہوں کی تنگ نظری اور ان کا تشدد رکاوٹ بن رہا ہے۔ اور اس طرح پھر وہ آسانی کے ساتھ یہ کہہ سکیں گے کہ چھوڑو اس اسلامی قانون کو اور لاؤ سیکولرزم۔ ابھی حال ہی میں ترکی کی حکومت کے ایک ترجمان (SPOKES MAN) نے بیان کیا ہے کہ اسلامی قانون کے نفاذ میں فقہی اختلافات رکاوٹ کا باعث بن سکتے ہیں۔

## صلاح

اس فقہی تشدد کو ختم کرنے کے لئے آسان اور سہل راستہ یہ ہے کہ دونوں فرقوں کے اہل علم اپنے اندر روادارانہ سپرٹ پیدا کریں۔ عام لوگوں کے ذہن آپ سے آپ صاف ہوتے چلے جائیں گے۔ اگر ہمارے یہ اہل علم حضرات اسلام کی خاطر، اسلامی وحدت اور اسلامی قانون کی خاطر رواداری کا مظاہرہ کرنے میں کامیاب ہو سکیں اپنے ذہنوں سے فقہی تشدد کو ختم کر دیں تو یہ کام بہت آسان ہو سکتا ہے۔ اور اس



کیا جائے گا۔ جس پر ہر فرقہ کے لوگوں کو اعتماد بھی ہوگا۔ اور اسے مستقل اور مستحکم بنیادوں پر نافذ بھی کیا جائے گا۔

## تیسری ضرورت

تیسری بات ہمیں یہ پیش نظر رکھنی چاہیے کہ مصلحت کے لحاظ سے یہ دیکھا جائے کہ مختلف فقہی مذاہب میں قانون رواج پر مبنی ہے۔ اسے زمانہ کے رواج عرف اور احکام کے مطابق کر لیا جائے۔ فقہیں آپ کو بہت سے قانون ایسے ملیں گے جو عورت اور مصلحت یا رواج کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ملتے رہتے ہیں۔ جدید خیال کے لوگوں کو یہ غلط فہمی لاتی ہے کہ ان قوانین میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم رواج پر مبنی بعض قوانین کو جو ان کا تو لکھنا چاہیں تو یہ قانون زمانہ کے حالات سے مطابقت پیدا نہیں کر سکے گا۔ حالانکہ یہ ضروری ہے کہ اسے وقت اور زمانہ کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے اس جوہد کو ہرگز

قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ اس کا توڑنا نہایت ضروری ہے جہاں تشدد نقصان دہ ہے اس کے ساتھ ہی جوہد بھی سخت رکاوٹ بن سکتا ہے یہ باتیں میں اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ بعض لوگ فقہ کو بھی قرائن کا سادہ رد دینے پر تڑپ جاتے ہیں کہ جس طرح قرائنی احکام میں تغیر و تبدل ممکن نہیں ہے اسی طرح مختلف مسائل میں فقہی فیصلہ کو بھی آخری فیصلہ کی حیثیت حاصل ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ رواج پر مبنی قوانین کو رواج کے مطابق بنانا انتہائی ضروری ہے۔ قانون کو چونکہ عام زندگی سے تعلق ہوتا ہے۔ اور پورا معاشرہ اس میں سے حصہ پاتا ہے۔ اس لئے اس میں یک رخ اپن نہیں چل سکتا۔ اس طرح معاشرہ بے چینی محسوس کریگا۔ مختلف قسم کی بدگمانیاں پیدا ہوں گی۔ اور یہ قانون آسانی کے ساتھ تھوڑی دیر تک کے لئے بھی نہیں چلایا جاسکتا۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی کر دوں کہ بعض مواقع پر عدالت یا حکومت کی ضرورت پر نہیں بلکہ محض کسی کے سوال کرنے پر کسی امام نے کوئی رائے دی ہے یا

کوئی حکم بیان کیا ہے۔ اسے آپ کسی مستقل قانون یا ضابطہ کی حیثیت نہ دیں۔ اس وقت کے حالات میں دُبی رائے ٹھیک تھی لیکن آج بدلے ہوئے زمانہ ضروری نہیں کہ اس رائے میں تبدیلی کرنا باطل قرار دیدیا جائے۔ یہ سرمایہ بلاشبہ بڑی قیمتی سرمایہ ہے۔ لیکن اس پر تحقیق کی نگاہ ڈال کر اس میں اگر رد و بدل کی ضرورت محسوس ہو تو ایسا کر لینا چاہئے۔ اس سرمایہ سے راہ نمائی لینا بڑا ضروری ہے۔ اور بے حد مفید بھی ہے لیکن فقہی جمہود سے احتراز ضروری ہے۔ ان امور کا اگر لحاظ رکھا جائے تو اسلامی قانون کی تدوین میں بڑی آسانی پیدا کی جاسکتی ہے۔

## حرف آخر

آخر میں میں قدیم اصحاب فکر اور جدید اصحاب فکر سے یہ گزارش کروں گا کہ وہ اس معاملہ میں اپنے اپنے فرائض کو پہچانیں اور انہیں انجام دینے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ جہاں تک مغربی علوم سے بہرہ ور حضرات کا تعلق ہے ان سے تو یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ آپ حضرات نیشنلزم اور سیکولرزم کے فتنوں کو پھیلنے چھوٹنے سے روکنے کی کوشش کریں۔ ان کا براہ راست دین سے تضاد ہوتا ہے۔ آپ حضرات کو اس حقیقت سے بھی اچھی طرح باخبر ہو جانا چاہئے کہ اس کی ذمہ داری دین پر ہی نہیں پڑے گی بلکہ اور قومی زندگی کے پر گوشہ پر پڑے گی۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ مسلم اور زبان کی تمام صلاحیتوں سے کام لے کر ان کو پھیلنے سے روکیں۔ میں یہ بات مغربی علوم سے بہرہ ور طبقہ سے خاص طور پر اس لئے کہتا ہوں کہ نیشنلزم اور سیکولرزم انہیں کے ماحول میں انڈسے سپے دیتا ہے۔ ان کا تعلق مذہبی درس گاہوں سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ فتنے اپنے انڈسے نچے دکالت خانوں، بار رڈوں اور کالجوں کے اندر ہی دیتے ہیں۔ اس لئے یہ اپنی کا فرض ہے کہ ان کے خلاف استعمال ہونے والا ایسا ڈی ڈی ٹی استعمال کریں جو ان فتنوں کو ختم کر دے ورنہ

یہ فقہ جس طرح ماضی میں مہلک ثابت ہوئے ہیں اسی طرح آج بھی مہلک ثابت ہو سکتے ہیں۔

دینی علوم رکھنے والے طبقہ سے میں جو بات غیر مبہم الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ خدا را آپ فقہی جمود اور فقہی تشدد کو ختم کرنے کی طرف پوری پوری توجہ دیں۔ کسی ایک فقہ سے تعصب رکھنے کے بجائے آپ پوری اسلامی فقہ کو اپنا سرمایہ قرار دیں۔ آپ کو یکساں فخر سونا چاہئے امام ابو حنیفہؒ کی کوششوں پر اور یکساں ناز سونا چاہئے امام شافعیؒ امام حنبلیؒ اور امام مالکیؒ کی خدمات پر۔

یہ سوائے آباد اجداد کا مشترک سرمایہ اور ہماری مشترک دولت ہے۔ اس سلسلہ میں آپ حضرات ایک کام یہ کر سکتے ہیں اور اسے ضرور کیا جانا چاہئے کہ مذہبی دس گاہوں میں ایک فقہ کی تعلیم دینے کے بجائے پوری اسلامی فقہ کی تعلیم دی جائے۔ تاکہ طالب علموں کے ذہن سے بھی تعصب ختم ہو اور انہیں احساس ہو کہ تمام ائمہ دین کے مخلص اور برابر کے خادم ہیں۔ اس طرح آپ حضرات دین کی یہ بڑی خدمت انجام دے سکیں گے اور اسلامی قانون کا مستقبل روشن کیا جاسکے گا۔

## بقیہ شذمات

پاکستانیوں کے لئے ایک دفعہ عبرت محمد علی پاشا مصری (متوفی ۱۸۷۹ء) کے نام

نامی سے پڑھئے لکھے لوگ اکثر دانت ہوں گے حکومت مصر کو ترقی دینے کے سلسلہ میں ان کے خیال میں یہ بات آئی اور فی نفعہ یہ بات درست بھی تھی کہ جب تک مصر کی ترقی جری فوج کو مغربی اسلوب پر تیار نہ کیا جائے گا دشمنوں پر غلبہ نہ حاصل ہو سکے گا۔ چنانچہ جدید طریقہ کے جنگی جہازوں کی تیاری کے لئے اشتہار دیا۔ فرانس اور دوسرے فرنگی ملکوں سے مارین فن آئے۔ انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو بھی ساتھ لانا چاہا۔ بادشاہ نے اسے منظور کیا۔ لیکن جب ان کا قیام ہوا تو انہوں نے قدرتیابی بھی چاہا کہ یہاں میں ان کا علاج بھی فرنگی ڈاکٹروں ہی کا ہو۔ محمد علی نے اسے بھی منظور کیا۔ ڈاکٹروں نے اگر فقہ وقتہ ایک کچھ کا ہسپتال قائم کیا اور ابھی ایک سال بھی نہ گزرنے پائی تھی کہ وہی مسلمان عورتیں جو گھر سے باہر قدم نہ لگائے تھیں کچھ عیسائی بچوں کے سلسلہ میں بے تکلف فرنگی ڈاکٹر آ کر دونوں تک پہنچے لگیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے شرم دھیا کا جو میرا صیو سے چلا آ رہا تھا مسلم گھراؤں میں بدل گیا۔

پروفیسر آرنلڈ ٹوین بی کا شمار برطانیہ کے ایک بہترین مورخ و ماہر علم معاشرت (سوشیالوجسٹ) بلکہ ایک مفکر کی حیثیت سے بھی ثابت ہوتا ہے انہوں نے یہ واقعہ اپنی کتاب "دینا اور مغرب" میں درج کیا ہے۔ واقعہ غالباً ۱۸۷۰ء کے ہے۔ اسی سنہ

میں پاشا موصوف نے فرانس سے جہاز سازی کے ماہروں کو طلب کیا تھا۔ بہر حال ایک ہی دو سالوں کے اندر مصر کی کاپیلاٹ ہو گئی۔ اور قدامت "جدت" میں تبدیلی ہو کر رہ گئی۔ بات شروع کہاں سے اور کس نیت و مقصد سے ہوئی تھی یعنی جہاز سازی، مارین کی خدمات حاصل کرنا۔ ملک کو ترقی دے کر مغرب کے برابر کر دینا۔ عوام کی خوشحالی اور علاج و بہبود کی تدبیر اور دیکھتے ہی دیکھتے کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ پروفیسر مذکور یہ واقعہ نقل کر کے خود ہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ

"ثقافتی لین دین کے کھیل میں ایک چیز ای طرح دوسری چیز تک پہنچاتی ہے یہاں تک کہ مغربی متمدن، قواعد اور ردیوں کا استعمال لازمی طور سے نہ صرف مسلم خواتین کی آزادی تک پہنچا دیگا بلکہ عربی حروف کی جگہ بھی لاطینی حروف کو جاری کرادے گا اور اسلام کی قوت کو تحلیل کر دیگا۔ جس کا نفوق مسلم ملکوں میں زندگی کے ہر شعبہ میں اب تک مسلم رہا ہے۔"

ماضی قریب کا یہ تاریخی واقعہ جو ایک اسلامی ملک مصر میں پیش آیا ہے، پاکستان کے لئے عبرت اندوز ہے۔ انگلیزوں نے اپنی مشہور شاہیت کے دور میں ہم غلاموں کے تمدن و کچھ کچھ قدر بدل دیا وہ تو ہرچکا لیکن اب آزاد ہو جانے کے بعد ملک کو ترقی دینے اور ترقی یافتہ ملکوں کے ساتھ ہمسرہ کرنے کے امریکہ اور یورپ جو مارین فن ہم در آمد کر رہے ہیں قوم کو بروقت متنبہ ہونا چاہئے کہ فرنگی مدنیت کے ساتھ اس مدنیت کے

منفعت بھی در آمد دے دے۔ امریکی علماء اگر دیکھنا ناگزیر ہوں تو اس کے جوں جوں کی تنبیہ کریں گے اس کے بجائے علماء کا یہ کہہ کر اس کو قس قس خود رت ہے۔

# علم حدیث

مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی (۳۱)

ایک پہنچ جائے وہ اپنے جسمانی اوصاف و خصائص کے لحاظ سے انسان ہونے کے باوجود اپنے دوسرے قوی میں عام انسانوں سے یقیناً بلند اور ممتاز ہوتے ہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ جسمانی قوت کا نمونہ۔ رستم کیا انسان نہ تھا۔ اور علم و عقل میں معروف یونانی فلسفی "ارسطو" کیا اپنی حیثیت میں فوق البشر تھا اور موجود دنیا کی بہت سی حیرت انگیز ایجادوں کے حاملین کیا بشریت سے پاک ہیں؟

ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارے ان سوالات کا جواب ہر سلیم الطبع انسان تقریباً انہی الفاظ میں دیکھا کہ، یہ سب مشا میر اپنے جسم و جان کے اعتبار سے بشریت کے اشتراک کے باوجود اپنے اپنے دائرہ اور شعبہ میں عام انسانوں سے بلند تر اور ممتاز تر رہے ہیں۔ نیز اللہ کی سنت جاریہ اُن پر جاری رہی ہے اور اپنی احتیاجات و خواہشات کی تکمیل کے لئے عام انسانوں کی طرح مجبور تھے۔ گرسنگی و تشنگی اور برد و حرارت وغیرہ اُن کے احساسات پر ایسی طرح اثر انداز ہوتی تھیں جس طرح ایک کمزور، جاہل اور بلید الذہن انسان پر۔ مذکورہ تمثیلات کو نگاہ میں رکھ کر ہم ایک نئی انسان اور غیر نئی انسان کو سمجھنے میں کسی نہ کسی حد تک مدد دے سکتے ہیں۔ وہ، غیر نئی انسانوں کے ساتھ بہت سے انسانی اوصاف میں شریک ہونے کے باوجود وحی اور اس کے خصائص و لوازم میں عام انسانوں سے مرصعاً الگ، بلند اور اعلیٰ بلکہ بعض جسمانی خصائص میں بھی ان سے ممتاز ہیں۔ پس نبی اور غیر نبی میں وحی کا فرق مان کر، وحی والے اور بے وحی والے انسانوں میں خود وحی، وحی کے سیکیڑوں لوازم، خصائص اور اوصاف کا فرق تسلیم کرنا پڑیگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی کا کام

ایک طرح بعض آیتوں میں جو یہ مضمون ہے کہ میں صرف بشر اور رسول ہوں یا یہ مضمون ہے کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔ فرق یہ ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ **هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّمَّنْ مَّسْؤُولًا** اور **إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ**۔

## بشریت رسول

جو شخص بشریت کی مذکورہ آیات اور دیگر آیات پر نظر ڈالے گا، وہ بلاذنی استاتل سمجھے گا کہ ان آیتوں میں جس قسم کی مماثلت اور بشریت کا ذکر ہے اس کا تعلق ظاہری جسمانیات اور اعفاء و حواصی و قوی اور ہیئت بدنی سے ہے درنہ اخلاقی، روحانی، دماغی و قلبی، علمی اور عملی حیثیت سے وہ انسان ہوتے ہوئے بھی غیر نبی انسانوں سے بلند تر اور علانیہ ممتاز ہوتا ہے۔ نبی اور غیر نبی میں صرف وحی کے امراق ہونے کے یہ معنی نہیں کہ نبی القاعدہ ربانی سے متصف ہونے کے علاوہ تمام اوصاف و کمالات اور جملہ صلاحیتوں میں عام انسانوں کے برابر ہوتا ہے۔ یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے اگر کوئی کہے کہ عالم و جاہل میں صرف علم کا فرق ہے۔ ورنہ فکری اور ذہنی صلاحیتوں میں یہ دونوں یکساں ہیں۔ حالانکہ علم کی صفت سے کسی کا متصف ہونا خود اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ جاہل کے مقابلہ میں ہر حیثیت سے، اخلاق و دانش میں، تہذیب و شائستگی میں، سلیقہ و دانائی میں، حکمت و اصابت میں اور امانت و دیانت میں ممتاز ہو۔

وحی و رسالت کو چھوڑ دو، دوسرے انسانی کمالات کو لے لو۔ تو بھی یہی ماننا پڑے گا، انسان کے جتنے اوصاف و کمالات ممکن ہیں اُن سب کی اعلیٰ سے اعلیٰ جانب کمال تک پہنچنا ممکن ہے۔ اور جو وہاں



صرف رسالت مخلصہ ہو۔ اور نبی کے حکم کی اطاعت امام ہونے کے باعث ہو۔ اور نفوذ باللہ نبی کی حیثیت پورٹ میں جیسی ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کے دلوں میں ہوتے ہیں ایک طرف تو وہ بشریت کے جامہ میں ہوتے ہیں اور انسانوں ہی کی طرح کھاتے پیتے چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، شادی بیاہ کرتے اور پیدا ہوتے اور مرتے ہیں۔ دوسری طرف وہ اپنی روحانیت اور بے گناہی، پاکدامنی اور اخلاقی نبوت میں انسانوں سے بلند تر ہیں۔ انبیاء انسانی اوصاف میں شریک ہونے کے باوجود وحی اور اس کے خصائص اور لوازم میں ان سے صریحاً الگ بلند اور اعلیٰ، بلکہ بعض جہانی خصائص میں بھی ان سے ممتاز ہیں۔ آنحضرت صلیم کو صوم وصال رکھتے دیکھ کر، جب صحابہؓ بھی آپؐ کی پیروی میں گئی کئی دن تک کا متصل روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ ان کو منع کرتے ہیں۔ اور اپنی نسبت فرماتے ہیں اے اے صوم وصال ابیت لیطعمنی ولیسقینی (بخاری) تم میں کون میرے مثل ہے، میں رات گزارتا ہوں تو میرا رب مجھے کھانا پلاتا ہے۔ کیا عام انسانوں کو بھی یہ روحانی غذا اور روحانی سیرابی میسر آتی ہے؟

اسی طرح نیند کی حالت میں بھی نبی کے قلب اور اس کے احساسات کا غافل نہ ہونا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ آپؐ نے فرمایا ”میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا۔“ وکذلک الانبیاء تمام اعینہم وکانت اہم قلوبہم (بخاری) اور اسی طرح انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں۔ مگر ان کے دل نہیں سوتے۔ کیا یہی کیفیت عام انسانوں کی نیند کی ہے؟ قرآن پاک میں ہے۔ (فتمرد وہ حلی صابری کیا پیغمبر جو دیکھتا ہے۔ تم اس میں اس سے جھگڑتے ہو؛ ولقد سأك بالافق المبین اور اس نے فرشتہ کو آسمان کے کناروں میں دیکھا۔ کیا عام انسان بھی یہ مشاہدہ کرتے ہیں؟

آنحضرت صلیم کے انسابی اہمات المؤمنین کو جو شرف حاصل ہوا اس کا اقتضایہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اہمات المؤمنین کو خطاب

کر کے فرمایا۔ لستین کا حد من النساء لے پیغمبر کی اندولج تم ایسی نہیں ہو جیسی ہر عورت تم جیسی پیغمبر کی بیویاں عام عورتوں کی مثل نہیں، تو پیغمبر تو بدرجہا اس کا سزاوار ہے کہ وہ کا حد من الرجال نہ ہو۔ اور اپنے خصائص میں عام انسانوں سے بدرجہا بلند تر اور ممتاز ہو۔ ایک فرقہ کا جو خیال ہے اور اس کی بڑے زور سے اشاعت ہو رہی ہے کہ محمد رسول اللہ کا پیغمبر نہ حکم صرف وہی ہے۔ جو وحی قرآنی کی صورت میں آیا۔ اس کے علاوہ آپ کے تمام احکام جو قرآن سے باہر ہیں وہ صرف مالکانہ اور انتظامی امور ہیں، جن کی پیروی کرنا نہ اسلامی شریعت ہے۔ نہ اسلام کا جزو ہے۔ صرف قرآنی وحی کا نام اسلام رکھا ہے۔ اور تیرہ سو صدی کے مروجہ کا نام ”ملائی اسلام“ رکھا ہے۔ یہ خیال سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ قرآن میں انبیاء کے لئے بشریت کا اثبات اوصاف خداوندی کے مقابلہ اور رسالت و بشریت میں منافات دفع کرنے کے لئے ہے۔ یہی مرکزی نہیں کہ صرف وحی الہی پہنچانے کے علاوہ رسول کو اور کوئی امتیاز نہیں، اس خیال کے باعث، بیسیوں آیتوں کی تحریف و انکار کرنا پڑے گا۔ اور آج تک تیرہ سو صدی میں جس قدر مسلمان گزرے سب کی تجہیل اور تفسیق کرنی پڑے گی اور سب کی تجہیل پر تیار ہونا، اپنی جہالت پر دلیل لانا اور اپنی عقل و فہم کے نوحہ و ماتم کے مترادف ہے۔

الغرض نبی اور غیر نبی میں صرف وحی و نبوت کا جو فرق ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ ان دونوں میں نبوت و رسالت کے تمام لوازم و خصوصیات اور ضروری اوصاف میں فرق و امتیاز ہے۔ کسی انسان کو صاحب وحی ماننے کے ساتھ ہی اس کو تمام اوصاف و لوازم اور خصوصیات کا حامل بھی ضرور ماننا پڑیگا۔ (الشیء اذا اثبت ثبت بلوازمہ۔

## انبیاءؑ اور ان کے حامل و مشابہ اشخاص

انبیاءؑ اور ان کے مشابہ اشخاص میں چار حیثیتوں سے فرق

نمایاں ہوتی ہے۔ مبداء اور منہج کا فرق۔ غرض دعاوت کا فرق، دعاوت کا فرق۔ علم و عمل کا فرق۔ نبی کے علم کا مبداء و منہج، مانتا و سرچشمہ جو کچھ کہو، وہ تعلیم ربانی، شرح صدر اور وحی والہام ہوتا ہے اور حکیم کے علم کا مانتا و منہج تعلیم انسانی، گزشتہ تجربہ، استقراء و قیاس ہوتا ہے یعنی حکیم عقل سے جانتا ہے اور نبی خالق عقل سے۔ اسی طرح ایک حکیم کے تمام اقوال و افعال اور جدوجہد کا منشاء اپنی شہرت طلبی علم کا اظہار اور قوم یا ملک کی محبت کی خاطر اس کی اصلاح ہوتا ہے۔ مگر ایک نبی کا مقصد خدا کے حکم کا اعلان اور خالق کی رضا کے لئے مخلوق کی بھلائی ہوتا ہے۔ دعاوت کا فرق یہ ہوتا ہے کہ حکیم اپنی دعاوت کی عمارت کو تمام تر حکمتوں، مصلحتوں اور علت اسباب کے سٹونوں پر کھڑا کرتا ہے۔ مگر نبی اپنی دعاوت کو زیادہ تر خالق کی اطا، محبت، اور رضا جوئی پر قائم کرتا ہے۔ حکیم کہتا ہے لیکن کرنا..... اس کے لئے ضروری نہیں۔ نبی جو کہتا ہے وہ کرتا ہے اور اس کا کر کے دکھانا اس کے لئے ضروری ہے۔ وہ صرف جلوت کے منبر پر آراستہ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ جلوت و خلوت اور ظاہر و باطن میں یکساں حسنت سے آراستہ اور برائیوں سے پاک ہوتا ہے۔

دنیا میں سقراط، بقراط، افلاطون وغیرہ ایک طرف، اور ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ و محمد علیہم السلام دوسری طرف ہیں اور دونوں کی کوائف اور سیرتیں اور کارنامے بالکل نمایاں اور ایک دوسرے سے اس طرح متنازع ہیں کہ ان میں ذرا بھی التباس نہیں۔

بادشاہ اپنی تلوار کے زور اور اپنی فوج دشمن کی قوت سے رعایا کو اپنے قانون کا پابند بناتے ہیں تاکہ فتنہ و فساد نہ ہو۔ فلاسفر اپنے دعوؤں کو صرف استدلال کی قوت اور عقل کے خطاب سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کی بات لوگ تسلیم کریں۔ لیکن پیغمبرؐ اپنے پیروؤں کے قلوب کو اس طرح بدل دینا چاہتے ہیں کہ وہ از خود بُرائی

کو چھوڑ کر نیکی اختیار کر لیں۔ وہ اگر کبھی قانون و حد و سنہد کو اختیار کرتے ہیں یا ساتھ ساتھ عقل کو بھی مخاطب کرتے ہیں۔ تو ان کا یہ صغنی یا ثانوی کام ہوتا ہے اولین نہیں، بلکہ ان کی اولین غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کے پیروؤں کو خدا کا اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا اتنا علم اور پختہ یقین ہو جائے کہ وہ اس کے حکموں اور نصیحتوں کو جو ان کے ذریعہ سے آتی ہیں۔ بے چون و چرا تسلیم کر لیں۔ اس تحریر سے اندازہ ہو گیا کہ ہر شریعین نواداعظم، ہر مؤثر ابیان خطیب ہر دقیقہ برس مقنن، ہر کنشور کش فاتح اور ہر نکتہ وال حکیم اس لائق نہیں کہ نبوت و رسالت کا اہم اور بلند اور مقدس منصب اس سے منسوب کیا جائے اس منصب کے ساتھ کچھ ایسی شروط، لوازم اور خصوصیات وابستہ ہیں جو اس کے ضروری اجزاء اور عناصر ہیں۔ پس نبی کے مشابہ اشخاص بھی نبی جیسا کام نہیں کر سکتے۔ عوام تو درکنر تو فرہم قرآن اور توضیح جزئیات اور قوانین کی حدود و کیفیات کے بیان میں نبی کی پیروی لازم اور ضروری ہوگی۔

نبی کریمؐ کی بشریت کو قرآن نے جس قدر مقامات پر بیان کیلئے وہ اوصاف خداوندی کے مقابلہ میں ہے۔ قرآن پاک میں تین جگہ وہ آیتیں ہیں جن میں خاص آنحضرت صلیم کی بشریت کا اعلان ہے۔ مگر ہر جگہ توحید کا کل کے بیان اور خدا کے مقابلہ میں رسولوں کی عبودیت کی تشریح اور اس عقیدہ باطل کی تردید میں ہے کہ رسولوں کے ہاتھوں میں یہ قوت ہونی چاہئے کہ وہ خدا سے زبردستی کسی بات کو منوالیں۔ اور سنی دسٹارش کر کے قصور معاف کر دیں۔

پس اعلان بشریت درحقیقت اس غلط عقیدہ کے مٹانے کے لئے تھا جو انبیاءؑ کی شان الہیت، کے متعلق عیسائیوں کے اثر سے لوگوں میں پھیل گیا تھا، اور سجدہ انفس کا مقام ہے کہ اس قسم کا غلط خیال آج کل اس نبیؐ کی امت کے ایک گروہ میں بھی پایا جاتا

یہ مرتبہ خلفاء راشدین، اکابر صحابہ، ائمہ تابعین اور تبع تابعین، مجتہدین عظام اور علماء اعلام کو ہمیشہ کے لئے ملتا رہا۔ اس کا اصطلاحی نام اجتہاد ہے۔ جس کو ہر زمانہ میں فیضیاب علوم نبوت اور عاقلین اسرار شریعت خدا کی دی ہوئی بصیرت کے مطابق، اس کی وحی کی روشنی میں ہمیشہ انجام دیتے رہے۔ اور دیتے رہیں گے۔ یہی سبب ہے کہ خدا نے قرآن کی توضیح و تفسیر کی ذمہ داری بھی خود اپنے اوپر لی ہے۔ شَمَّ اَنْ عَلَيْنَا بَيَانُهُ یعنی پھر ہمارے ذمہ ہے اس کی شرح کرنا۔

اس بیان اور شرح کی ذمہ داری کبھی بدریہ وحی ادا ہوئی ہے۔ جو قرآن میں مذکور ہے۔ اور کبھی رسول کی تقریر و عمل سے پوری ہوئی۔ جو علمی تواتر سے منقول اور احادیث کے مستند و معتبر و قدر میں موجود ہے۔ یہ امر کہ اس بیان و شرح کی طاقت اور اس تفسیر و توضیح کا اختیار رسول کو خدا کی طرف سے عطا ہوا تھا ذیل کی آیت سے ثابت ہے۔  
 وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ الَّذِي كُنَّا نَتَّبِعُكَ لِنُظَاهِرَ لِّلنَّاسِ مَا نُنَزِّلُ اِلَيْهِمْ  
 وَ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ  
 لوہم نے آپ کی طرف یہ نصیحت (کی کتاب) نازل کی۔ تاکہ لوگوں کی طرف جو نازل کیا گیا ہے، آپ اس کو کھول کر بتا دیں، شاہد وہ سوچیں)

بیان اور بین کے لفظی معنی کھولنے اور واضح کرنے کے ہیں۔ اور استعمال و معنوں میں ہوتا ہے۔ ایک اعلان اور اظہار کے معنی میں، یعنی اظہار کے مقابل، دوسرے توضیح و تفسیر کے معنی میں۔ قرآن میں یہ لفظ دونوں معنوں میں آیا ہے، لیکن غور و فکر کے مقابلہ کے باعث یہاں توضیح و تشریح کے معنی ہونا یقینی ہیں۔ جب قرآن عربی زبان میں ہے۔ اور اہل عرب عربی سمجھتے تھے پھر تفسیر و توضیح کی کیا حاجت؟ لہذا معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کے محض لفظی معنی سمجھنے سے اس کا صحیح علم حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لئے نبی کو وضاحت کا حکم ہوا۔ اور جو توضیح کہ نبی کے بیان سے ہو، اس کا نام حدیث دُست ہے۔ (باقی آئندہ)

ہے جو دنیا میں توحید کامل کا مبلغ بن کر آیا تھا۔ دوسری طرف اس اعلان سے ایک تفریط پسند گروہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ پیغمبر اور عام انسانوں میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں اور نہ پیغمبروں کو عام انسانوں پر کوئی بلندی اور برتری حاصل ہے الا یہ کہ پیغمبروں پر وحی آتی رہتی ہے اور عام انسان اس سے محروم ہیں۔ گویا اس کا منشا یہ ہے کہ پیغمبریں صرف اس لمحہ اور اس میں منصب نبوت کا امتیاز پاتا ہے۔ جب اس پر کسی قسم کی وحی نازل ہوتی ہے اور اس سے پہلے اور اس کے بعد وہ عام انسان ہوتا ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر ایک اور مختصر فرق نے دعویٰ کیا کہ پیغمبرانہ حکم صرف وہی ہے جو وحی قرآنی کی صورت میں آیا۔ اس کے علاوہ آپ کے تمام احکام جو قرآن سے باہر ہیں وہ صرف حاکمانہ اور انتظامی امور ہیں۔ جن کی پیڑی کرنا نہ اسلامی شریعت ہے نہ اسلام کا مجزؤ ہے۔ یہ خیالات دین دوسرے مفرطانہ فرقہ کے مقابلہ میں تفریطانہ ہیں۔ اور دونوں اعتدال کی حد سے باہر ہیں اور حقیقت ان کے درمیان میں ہے۔

### صحیفہ ربانی اور کتاب اللہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جس کتاب کو لے کر آئے وہ آخری اور ابدی ہے۔ اور ایسی آخری اور ابدی کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ زیادہ تر شریعت کے کلی اور ابدی اصول و مبادی پر زور دے۔ چنانچہ اس آخری وحی الہی نے اپنی کتاب الہی کو صرف اصول و کلیات تک محدود رکھا۔ اور جزئیات کے لئے اپنی آیتوں میں ایسے اشارے رکھے ہیں جن کے سہارے وہ دل جو علم و معرفت سے پر نور اور علم و حکمت سے معمور اور شرح صدر و تائید القادر ربانی سے فیض یاب ہوں۔ وہ علیٰ قدر مراتب جزئیات کو صحیح طور پر جان لیں۔ چنانچہ یہ مرتبہ سب سے پہلے خود نبی کریم کو ملا۔ اور چونکہ آپ خطا سے معصوم ہیں۔ اس لئے آپ کے اس منصب کے نتائج بھی خطا سے محفوظ ہیں۔ پھر رسول کے وسیلے

# بیابان محبت اقبال و یک دوسا غم کش!

(س)

نیتی در کسوت صوت است و بس  
در ہم وزیرش ہلاک آدم است  
ز ہر اندر ساغر جم می دہد

الحدراں نغمہ موت است و بس  
تشنہ کامی؟ ایں حرم بے زمرم است  
سوزِ دل از دل برد غم می دہد

ماہر شادمان باز آری کی رنگین مجالس کو ترقی دی جا رہی ہے۔ اور ہر طرف جنگ درباب اور نئے اور نئے کا قبضہ ہے۔ اور اس کا نفسیاتی پہلو یہ ہے کہ اس سے جذبات، ہیمیہ فروغ پاتے ہیں اور شہوانیات کو وہ بے پناہ تحریک حاصل ہوتی ہے جو ایک طوفان کی صورت اختیار کر کے ہماری اخلاقی قوت، احساس خودداری، غیرت، حمیت اور جذبہٴ عمل کو خس و خاشاک کی مانند بہلے جاتی ہے۔ اور اسی کے نتیجہ میں ملک کے اندر فسق و فجور اور بے حیائی کی بہت سی حرکات ظہور میں آ رہی ہیں۔

ابلیس کا تو کام ہی یہ ہے کہ بُرے اعمال و اخلاق کو مزین کر کے دکھائے۔ لَٰكُنْ تَتَذَكَّرُ تو اس نے قسم کھا کر کہا ہے۔ اس لئے وہ موسیقی اور رقص جیسے ناپاک اور مہلک و تباہ کن "فن شیطنت" کو "فن لطیف" ثابت کرنے کے لئے انسان کو دھوکے میں ڈالتا ہے۔ اور ابلیس کے پنجوں میں گرفتار انسان اسے تفریح کا سامان سمجھتا ہے چنانچہ آج ہی کہا جا رہا ہے کہ "موسیقی تو ایک تفریحی چیز ہے۔ اور غم کو مٹا کر طبیعت میں فرحت و انبساط پیدا کرتی ہے۔"

لیکن علامہ اقبال مرحوم موسیقی کے متعلق اس نظریے کی تردید فرماتے ہیں۔ اور زبورِ عجم کے مندرجہ بالا اشعار میں جو موسیقی کے

علامہ اقبال "گوشتِ پاکستان" کہا جا رہا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ پاکستان کا تخیل علامہ مرحوم ہی نے اس لئے پیش کیا تھا کہ پاکستان کے نام سے جو خطہٴ زمین آزاد ہوگا اس میں اسلامی قوانین احکام کے مطابق ایک مثالی حکومت قائم کی جائے گی۔ اقبال کے پاکستان کا نقشہ کیا ہونا چاہئے علامہ مرحوم کے اشعار سے بہ آسانی یہ پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان نام کی ایک مملکت تھوڑے آگے لیکن ابھی اس میں پاکیزگی، پاکبازی، پیدا نہیں کی گئی۔ "فنون لطیفہ" کے نام سے وہ تمام تلباکیاں یہاں نہ صرف یہ کہ موجود ہیں بلکہ ان کو دین بدن ترقی دیا جا رہا ہے۔ ان "فنون لطیفہ" سے مراد کیا ہے۔ شاعری، موسیقی، رقص، مصوری اور سنگ تراشی وغیرہ، اسلام نے "فنون لطیفہ" کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے۔ اور اس لئے علامہ اقبال مرحوم کا فیصلہ بھی ان امور کے بارے میں وہی ہے جو اسلام کا فیصلہ ہے۔ کیونکہ اقبال کی شاعری تو محض شاعری اور غزل خوانی نہیں بلکہ اسلام کی ترجمانی ہے "ان فنون لطیفہ" میں سے موسیقی کا ہمارے پاکستان میں خاص دور دورہ ہے۔ سکولوں کے بچوں اور پچھلے کو اس کا سیکھنا لازمی قرار دینے کی تجویزیں ہو رہی ہیں۔ بڑے اہتمام کے ساتھ اس کی تعلیم اور مشق کرانے کی کوششیں جاری ہیں۔ موسیقی اور رقص کے مراکز، اور فنِ موسیقی کے

کے زیر عنوان ایک نظم میں علامہ مرحوم نے تحریر فرمائے ہیں۔ انہوں نے اس حقیقت کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ

”موسیقی کے ان نغموں سے بچ کر مرنے۔ یہ نغمے درحقیقت

موت کے نغمے ہیں۔ منتہی اور آملات غنا کی یہ آوازیں،

محض آوازیں نہیں جو کان کے پردوں تک پہنچتی ہیں بلکہ

یہ تو آواز کے پردے میں موت ہے۔ یعنی قوت و سلطوت

کی موت، دیانت و شرافت کی موت، شفقت و عصمت

کی موت، حیا و مروت کی موت، اور خود داری و خود شناسی

کی موت“ اس آواز سے ایک تشنہ کامی پیدا ہوتی ہے۔

اور پھر پیاسوں کے لئے اس ”خیم“ میں کوئی ”زمر“ نہیں جو

پیاس کی آگ کو بجھا سکے۔ اور اس کے زیر ویم میں انسان کی

اخلاقی اور روحانی ہلاکت ہے۔ یہ موسیقی دل سے ایمان و

یقین کے سوز و حرارت کو تو فنا کر دیتی ہے اور اس میں ایک

غم رکھ دیتی ہے۔ اس طرح گویا سناغ جھیند میں زہر ہلاہل

جہیا کر دیتی ہے“

علامہ اقبالؒ کی نگاہوں میں نائے اور چنگ رباب کا مشغلہ اس

لئے حرام ہے کہ ان نواؤں میں موت کا پیغام پوشیدہ ہے

اگر نوائیں ہے پوشیدہ موت کا پیغام

حرام میری نگاہوں میں نائے و چنگ رباب

علامہ کا نظریہ یہ ہے کہ کسی نغمہ کے سوز و اثر کے لئے خمیر کی پاکیزگی

پہلی شرط ہے۔ مگر ایسے خمیر کا وجود کہاں؟ اور پاکیزہ خمیر کے نغمے اس

مردف عام موسیقی سے علیحدہ ایک متقل چیز ہے۔ اس لئے علامہ مرحوم کا

نظر تیرہ ہی ہے کہ اب تو ناپاک خمیر والے ”نواز“ ہی رہ گئے ہیں جن کی

موج نفس نواؤں کو زہر آلود کر دیتی ہے۔ اور پھر ان نواؤں سے فضاؤں

میں زہر پھیلتی ہے۔ اور کانوں کے راستہ سے یہ نوائیں دل و دماغ تک

زہر پہنچا دیتی ہیں۔ اور اس لئے کہ نوائیں زہر آلود ہو چکی ہیں مشرق و

مغرب کے لالہ زار دل میں پھرنے کے باوجود اقبالؒ کو کسی چین میں

وہ گل لالہ نہیں ملتا جس کی گریبان واقعہ میں چاک ہو چکی ہو۔

وہ نغمہ سڑی خون غزل سرا کی دلیل

کہ جس کو سن کے تیرا چہرہ تابناک نہیں

فوا کو کرتا ہے موجِ نفس سے زہر آلود

وہ نے نواز کہ جس کا خمیر پاک نہیں

پھر اس مشرق و مغرب کے لالہ زار دل میں

کسی چین میں گریبان لالہ چاک نہیں

اقبالؒ کی حقیقت شناس نظروں میں ”تب تاب زندگی“ ہی

ہنایت اہم اور مقصدی چیز ہے۔ اور جو قوم اس سے جدا ہو جائے

وہ ہلاکت تباہ ہو جاتی ہے۔ اور موسیقی و نوازی اور خوش گلوئی

کی نغمہ پاشی قوموں کو اس تب تاب زندگی سے جدا رکھتی ہے۔

نہ جدا رہے تو اگر تب تاب زندگی سے

کہ ہلاکی اہم ہے یہ طیرتی نئے نوازی

علامہ اقبالؒ مرحوم کی کتابوں پر نظر رکھنے والا ہر شخص اس بات

کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ وہ غیر مبہم الفاظ میں نہیں بتاتا ہے۔ کہ

ان ”فنون لطیفہ“ میں زیادہ تر وہ تو میں مشغول و مستغرق ہوتی ہیں

جو زوال پذیر ہو کر یا تو دوسروں کی غلام بن چکی ہیں یا ابھی و در تنزل

سے گذر کر غریب و غریبیت میں گرے والی ہیں۔ کسی حکومت کو ابتداء

حکوم رکھنے کی بہترین ترکیب ہی یہ ہے۔ کہ اسے فنون لطیفہ کی چھٹ

لگا دی جائے۔

حکوم کے حق میں ہے ہی تربیت اچھی

موسیقی و صورت گری و علم نباتات

بس قوموں کی نفسیات عروج و زوال پر نظر رکھتے ہوئے

میں کیا ہے میں تجھ کو بتانا نہیں تقویر اُم کی ہے !  
 شمشیر و سنانِ اولِ طاووسِ ربابِ آخر  
 کیا حکومتِ پاکستان کے آربابِ اقتدار، ریڈیو پاکستان کے  
 ذمہ دار اور پاکستان کے تمام باشندے اس "مخرم راز" کے اظہار و  
 بیان کے بعد بھی اس راز کو نہیں سمجھتے، اور ملک کو گریزوں، ڈوبوں،  
 میراثیوں اور طاووسِ درباب سے سرکار رکھنے والوں کے ہاتھ میں دے کر  
 تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ غاصبِ ظالما اعلیٰ الابطاح

یہ حقیقت اظہارِ من الشمس ہے کہ ہر قوم کی قوت و سطوت اور آزادی  
 اختیار کا زمانہ وہ ہوتا ہے جب کہ اس میں اپنے مذہب، اپنے ناموس  
 اپنے کلچر اور اپنی دیرینہ روایات کے حفظ و بقا کے لئے جذبہ جہاد  
 موجود ہو۔ لیکن جو نبی وہ اپنی رزمیہ خصوصیات سے کنارہ کش ہو کر  
 زندگی کی لطیف حیات میں قدم رکھتی ہے ان کی حیات اجتماعی کا  
 شیرازہ بکھرنے لگتا ہے اور نتیجہ کار وہ ہمیشہ کے لئے موت کی  
 نیند سو جاتی ہیں۔ یہی راز ہے جس کا اظہار اقبالؒ نے ان لفظوں

## رَسَل و مَسَائِل

قرآن لا یصح حال علی عدم الصحة ولو جرت مقدمات  
 الخطبة فاحدة منها لاجئها لتقیز الامنکوحة عند  
 الشهود فانه لا بد منه رطل قلت و طاهق انما الوجرت  
 المقدمات علی معینة وتمیزت عند الشهود لیضا یصح  
 العقد وحی واقعة الفتوی لان المقصود نفی الجہالة و ذلك  
 حاصل بتعینا عند العاقدین والشهود وان لم یصرح  
 باسمها لکما اذا كانت احداهما متزوجة الخ (شامی جلد ثانی ص ۲)  
 مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب پنہام نکاح کے وقت

رسول، ایک شخص عبدالرحمن کی دو لڑکیاں ہیں بڑی لڑکی سیدہ بیگم  
 کا نکاح تین سال قبل ہو چکا ہے۔ دوسری لڑکی رشیدہ بیگم کا نکاح  
 ایک لڑکے سید احمد سے طے ہوا۔ نکاح کی بات چیت کے دوران میں  
 یہ بات واضح تھی کہ رشیدہ بیگم کے ساتھ نکاح کرنا مطلوب ہے۔ ایک دو  
 دفعہ اُس کے نام کا بھی ذکر آیا۔ وعدہ ہو جانے کے بعد قریباً دو ماہ گزرے  
 سید احمد کے والد برات لے کر عبدالرحمن کے گھر آئے۔ سب برائیوں کے  
 ذہن میں یہی تھا کہ عبدالرحمن کی چھوٹی لڑکی سے نکاح کرنا مقصود ہے۔  
 مگر بہ وقت نکاح نہ عبدالرحمن کو خیال رہا نہ سید کے والد کو نہ نکاح خواں

ایسی گفتگو ہو چکی ہو۔ کہ فریقین کے ہاں اور گواہوں کے ہاں منکوحہ متعین  
 ہو چکی ہو اور اس میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہا ہو یا دو لڑکیوں میں سے  
 ایک کا نکاح پہلے ہو چکا ہو۔ اب قابل نکاح صرف ایک لڑکی رہ گئی ہو  
 اور اُس کے باپ کا نام لے کر کہا جائے کہ فلاں کی بیٹی کا نکاح کیا جا رہا  
 ہے۔ تو اس سے بھی تعین ہو جاتی ہے۔ اور ان صورتوں میں اگر نام نہ  
 بھی لیا جائے تب بھی نکاح درست ہے۔ اور منکوحہ مجبورہ نہیں رہتی۔  
 صورت مذکورہ سوال میں اسی بنا پر تعین منکوحہ کر دی گئی ہے لہذا یہ  
 نکاح شرعاً درست ہے۔ کسی شک و شبہ میں نہ پڑنا چاہئے۔

کو، ایجاب قبول کے وقت رشیدہ بیگم کا نام نہیں لیا گیا۔ بلکہ بڑی کہا کہ  
 عبدالرحمن کی لڑکی کا نکاح تجھ سے کر دیا۔ اور سید نے کہا میں نے قبول کیا۔  
 اب بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ نکاح منعقد نہیں ہوا کیونکہ لڑکی کا  
 نام نہیں لیا گیا۔ آپ شرعی مسئلہ تفصیل سے بتا دیجئے۔

(جواب) علامہ شافعیؒ نے لکھا ہے۔ فلو زوج بنته منه وله  
 بنتان لا یصح الا اذا كانت احداهما متزوجة فینصرف  
 الی الفارغة کما فی البزازیة نہرونی معاہلہ ما اذا كانت  
 احداهما حرمة علیہ فلیراجع رحمته واطلاق



# کتاب بہترین رفیق ہے!

- پیام حق - حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بکوی کی آخری سرکشتہ الآلا تقریر - مذہب شیعہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے قیمت ۸/-
- تفسیر آیت مباہلہ مصنفہ حضرت مولانا عبد شکور صاحب کھنڈو۔ قل تعالوا لنذکر ابنائنا انکم کی صحیح تفسیر اور شیعوں کے مخالفہ کا ازالہ ۲۰/-
- تفسیر آیت صدیق اکبرین مصنفہ ایضاً تفسیر آیت ولقد کتبنا فی الزبور انکم خلفاء راشدین کی خلافت کا ثبوت ۲۰/-
- تفسیر آیت ادنی الامر منکم مصنفہ ایضاً۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول وادنی الامر منکم کی تفسیر اور شیعوں کے مخالفہ کا ازالہ ۲۰/-
- تفسیر آیت معیت - مصنفہ ایضاً تفسیر آیت محمد رسول اللہ والذین معہم حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا خلیفہ ہونا ثابت کیا گیا ہے ۲۰/-
- تفسیر آیت تمکین مصنفہ ایضاً تفسیر آیت الذین ان مکناہم فی الامر من جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضور کے مہاجرین کی ہدایت الہی میں بڑی عزت ہے ان میں ہر ایک امامت و خلافت کی قابلیت رکھتا تھا۔ ان کی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت ہے۔ ان کے عہد خلافت کے تمام کام خدا کے پسندیدہ اور مقبول تھے ۲۰/-
- تفسیر رضوان مصنفہ ایضاً تفسیر آیت لقد رضی اللہ عن المومنین کی تفسیر جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ اور تمام صحابہ حدیبیہ حقیقی ہیں۔ اور خدا نے ان سے اپنی رضامندی کا اعلان کر دیا ۲۰/-
- تفسیر آیت مودۃ المقربی مصنفہ ایضاً تفسیر آیت قل لا اسئلكم علیہ اجراً کی صحیح تفسیر جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ شیعہ جو اس آیت کے حوالہ سے محبت اہل بیت کو اجور رسالت کہتے ہیں یہ قرآن کی ممنوی تحریف اور سید الانبیاء علیہ السلام کی نبوت پر سخت حملہ ہے قیمت ۱۰/-
- ابوالاحسن کی تعلیم - مصنفہ ایضاً جس میں شیعہ کتب سے ثابت کیا گیا ہے کہ کوئی شخص محب حضرت علی اور پیروکار اہلبیت نہیں ہو سکتا کہ جب تک کہ مذہب حق اہل سنت و الجماعت اختیار نہ کرے ۸/-
- کشف التلبیس حصہ دوم - جس میں فضائل صحابہ اور دیگر مسائل پر مکمل بحث کی گئی ہے ۸/-
- تحقیق فیک - مصنفہ مولانا تاج احمد شاہ صاحب بھاری کی نہایت بہترین قابل دید کتاب ہے ۶/-
- تحفہ قادیان ۸/-

ملنے کا پتہ

مکتبہ حزب انصار و منبر شمس الاسلام ڈاک خانہ شمس الاسلام بھیرہ